تحفظ ختم نبوت کا حقیقی علمبردار واحمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کا ترجمان

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفٰی مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوت را بروشد اختتام
ختم شد برنفس پاکش ہر کمال — لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

(کلام مسیح موعود)

Rs.10

ایڈیٹر: ممتاز عالم

تحفظ ختم نبوت کا حقیقی علمبردار و احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کا ترجمان

ماہنامہ
چودھویں صدی
دہلی

سرپرست
جناب شوکت اے علی صاحب
دامت برکاتہم

ایڈیٹر
مفتی ممتاز عالم

جلد نمبر.........۱۲
شمارہ......................۳
ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
بمطابق مارچ ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک
فی شمارہ...........۱۰/روپے
سالانہ ۱۰۰/روپے
بیرون ملک ۱۰/پونڈ
ڈالر امریکن ۱۲ڈالر

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

خط و کتابت کا پتہ: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا L-25A، دلشاد گارڈن، دہلی 110095 فون 011-22596616 (موبائل) 9910750455
E-mail:ahmadiyyaanjuman@yahoo.co.in Our Websites: www.aaiil.org

ادارِیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قارئین حضرات! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

تبلیغ اسلام ایک ایسا فریضہ ہے، جس کو ہر مسلمان کی زندگی کی غرض وغایت قرار دیا گیا ہے، امتِ مسلمہ کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے **کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ** ۔تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ نیک باتوں کی تلقین کرتے اور برائیوں سے منع کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو، قرآن کریم کے اسی ارشاد کی تعمیل میں مسلمان ربع مسکون کے ہر حصہ اور ہر خطہ میں اسلام کا پیغام لے کر نکل گئے، اور کلمۂ توحید کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ اور اپنے اخلاق و کردار سے پوری کائنات کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ یہی امر مسلمانوں کی عظمت اور رفعت کا موجب ثابت ہوا۔ سلطنتیں اور ملکی فتوحات ایک ضمنی چیز تھی جو تبلیغ اسلام کے راستہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں، اصل چیز جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سربلندی کا موجب ہوئی وہ مسلمانوں کا تبلیغی ولولہ تھا جو انہیں ایک طرف مشرق بعید اور دوسری طرف مغرب بعید تک لے گیا، لیکن جب تبلیغی جوش سرد پڑ گیا اور سلطنتوں کے نشہ اور عیش پرستوں میں مسلمان غرق ہو گئے تو انحطاط کا دورہ شروع ہو گیا، آج اگرچہ مشرق و مغرب میں بہت سی مسلمان سلطنتیں موجود ہیں، لیکن مسلمانوں کی نکبت وانحطاط بدستور قائم ہے، جو صرف ان کے اخلاق وکردار کی درستی اور اسلام کی صحیح تعلیم کو دنیا میں پہنچانے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔

اسی بات کے پیش نظر حضرت مجدد وقت نے مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دلائی اور ایک جماعت اسی غرض سے تیّار کی کہ اسلام کا پیغام دنیا کے ان حصص تک پہنچایا جائے جو ابھی تک اس کے نور سے محروم ہیں۔ یہ جماعت خدا کے فضل سے اس فریضہ کو نہایت کامیابی کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے جس کی وجہ سے اسلام کے متعلق دنیا کی رائے عامہ بہت کچھ بدل چکی ہے اور جس مذہب کو وحشیانہ اور بربریت کا مذہب سمجھا جاتا تھا آج اسے معقول ترین اور امن وصلح کا مذہب سمجھا جانے لگا ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس پیغام کی طرف توجہ نہ دی اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جہاد بالسیف ہی اسلام کی عظمت ورفعت کا موجب ہو سکتا ہے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے، اگر وہ اس طرف توجہ کرتے اور تمام اسلامی جماعتیں باہم الجھنے اور اپنے فرقی اختلافات پر لڑنے جھگڑنے اور جربۂ تکفیر کے ذریعہ سے اپنے بھائیوں کو اسلام سے خارج کرنے کے بجائے اپنے اپنے حلقوں میں اسلامی اخلاق وکردار پیدا کر کے ''لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا علم لے کر دنیا میں نکل جائے تو اطراف عالم نور اسلام سے جگمگا اٹھتیں اور تمام دنیا ایک اسلامی بلاک کے نیچے آجاتی، جو موجودہ سیاسی اقتدار سے بہت بڑھ کر مسلمانوں کی عظمت ورفعت کا موجب ہوتا۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہ خیال اب کچھ کچھ مسلمانوں میں پیدا ہونے لگا ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہی جماعت احمدیہ کو مٹانے کا خیال بھی موجزن ہے۔

> افسوس'' آج کل لوگ ایٹمی طاقت کی دوڑ بھاگ میں لگے ہوئے ہیں۔ اس دوڑ میں آج ہم امریکہ یا ان جیسے ممالک کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ اصل مقصد حیات ہے لیکن یہ تو ہم بآسانی کر سکتے ہیں کہ امریکہ وایٹم بم بنانے والوں، ایٹمی اسلحہ سازوں اور ایٹم کے تجربات کرنے والوں کے سامنے احسن طریقہ پر اسلام کی دعوت پیش کر سکیں'' تاکہ امن وامان کے شیدائی مذہب اسلام سے وہ پوری طرح آگاہ وروشناس ہوں۔

سبھی مسلمانوں کا اولین اہم فریضہ ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی اصلاح خود کریں پھر ان ممالک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو پھیلانے کے لیے میدان عمل میں آئیں اور ان کے گلی کوچوں اور ہر گھر میں سیرت نبویؐ اور اسلامی لٹریچر پہنچا دیں تاکہ وہ امن وآشتی کے دین اسلام سے فیضیاب ہوں، خوش قسمتی سے متواتر ایک صدی سے جماعت احمدیہ لاہور اس اہم فریضہ کو سرانجام دیتی آرہی و باللہ التوفیق ہے۔''

ہمیں خوشی ہے کہ کچھ مکتب فکر کو ہماری یہ بات سمجھ میں آئی اور آخر کار اسلام کی عظمت دنیا میں قائم کرنے کے لیے انہوں نے وہی راہ اختیار کی جس کی طرف حضرت مجدد وقت نے توجہ دلائی تھی۔ یاد رکھئے فی الواقع تبلیغ اسلام ہی وہ سب سے بڑا ذریعہ ہے جس سے آج ہم دجالی اقوام کو اسلام کا مطیع و منقاد بنا سکتے ہیں اور اس ذریعہ سے جنگ کے خطرہ کو مٹا کر ان کے بنائے ہوئے جنگی اسلحہ اور ایٹم بم سرد کر سکتے ہیں، ہماری دلی آرزو ہے کہ جو تحریکیں اب اس راہ پر چلی ہیں اللہ رب العزت انہیں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔

اللہ کرے تمام مسلمانوں کا ایک مشترکہ تبلیغی مرکز قائم ہو جائے جس کے ماتحت دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغی مشن کھولے جائیں، اگر اکثر مسلمانوں کی توجہ اس طرف ہو جائے اور وہ ایک دوسرے سے الجھے بغیر تبلیغ اسلام کے کام میں لگ جائیں تو اس سے بڑھ کر نیک کام اور کوئی نہیں ہوسکتا، یہ ہمارے شیعہ، سنی، دیوبندی اور بریلوی، اہلحدیث اور اہل قرآن وغیرہ کے جھگڑے اسی صورت میں ختم ہو سکتے ہیں کہ تمام فرقے اور جماعتیں تبلیغی مشن لے کر ایک پلیٹ فارم پر آئیں، اور ایک دوسرے سے فرقی اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے توحید اور رسالت کا وعظ کریں اور اسلام کی خصوصیات اور اس کی خوبیاں لوگوں کو بتائیں، یہی وہ طریق ہے جسے جماعت احمدیہ لاہور نے ایک صدی سے اختیار کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے اور یوروپین نقطہ نگاہ کو بدلنے اور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے، اگر تمام اسلامی مکتب فکر باہم دست و گریباں ہونے اور ایک دوسرے کی کفر بازی کی بجائے اسی طریق سے تبلیغ اسلام میں لگ جائیں اور اس رنگ میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں کہ کون تبلیغ اسلام کی خدمات دوسروں سے بڑھ چڑھ کر سرانجام دیتا ہے، تو یہ ایک بڑی نیکی کا کام بھی ہوگا اور ایک دوسرے پر فتحیابی کا بھی ایک مستحسن ذریعہ ہوگا اور دراصل یہی وہ راہ ہے جس سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ واپس آسکتی ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ خدمتِ دین کرنا اور رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اللہ ہم سبھی کو ایک اور نیک بنائے اسی تمنا کے ساتھ اللہ حافظ والسلام۔

☆☆☆

(باقی صفحہ 8 کا) یہ چیزیں ضرر دینے والی ہیں اور حصول کمال کی یہ راہ ہے۔ ہدایت من جانب اللہ کے بغیر اور محض اپنی جدوجہد سے کوئی انسان کمال کو حاصل نہیں کرسکتا بلکہ اس جدوجہد کے ساتھ من جانب اللہ ہدایت بھی چاہئے تاکہ وہ اسے روشنی کا کام دے، یہاں ھدی للمتقین میں دونوں پہلوؤں کو روشن کردیا۔ انسانی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے اور وہ تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے روشنی کی بھی ضرورت ہے۔ اسی سے منزل مقصود حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح الحمدلله رب العالمین کہنے والا ایاک نعبد کا اقرار کرنے والا اھدنا کی دعا کا محتاج ہے۔ اسی طرح متقی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور دکھ دینے والی چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس کتاب اور اس نور کا محتاج ہے تاکہ منزل مقصود پر پہنچ سکے۔

متقی کے لئے غیر متناهی ترقی: علاوہ ازیں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ انسان جس قدر بھی چاہے تقویٰ میں ترقی کرتا چلا جائے۔ ہمیشہ اپنے لیے اس کتاب میں نئی سے نئی روشنی آئندہ ترقیات کے لیے پائے گا۔ کسی مقام پر پہنچا کر یہ کتاب عاجز نہیں ہو جاتی کہ اس سے بڑھ کر کسی درجہ پر پہنچانے کے لیے میرے پاس کوئی سامان نہیں۔ جس طرح انسانی کی ترقی غیر متناہی ہے۔ اسی طرح اس کتاب کا نور بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

تقویٰ کمال کے حصول کی پہلی سیڑھی ہے: اور گو یہ سچ ہے کہ خود تقویٰ کے بھی مدارج ہیں اور جو شخص تقویٰ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتا ہو ا اس کتاب سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے وہ اس کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ تاہم اس آخری منزل کا نام یہاں فلاح اور کہیں صدیقیت اور کہیں شہید کا مرتبہ رکھا ہے۔ تقویٰ یا دُکھوں سے اپنے آپ کو بچانا ہی کمالِ انسانی نہیں بلکہ کمالِ انسانی کے حصول کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اس کے مقابل پر وہ لوگ ہیں جو دکھوں اور تکلیفوں سے بچنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کا ذکر اسی سورت کی آیت ۶ میں ہے۔

☆☆☆

حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہاردہم کی سوانح عمری

قسطوار　ڈاکٹر بشارت احمد

مولوی عبداللہ صاحب کے مکاشفات اور الہامات حضرت مرزا صاحب کی تائید میں:

مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب سے اسی سلسلہ میں خط وکتابت چلتی رہی۔ اور انہوں نے اپنے اور بھی الہامات آپ کو لکھ بھیجے۔ چنانچہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب لکھو کے والے کو خطاب کر کے ایک موقعہ پر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی عبدالرحمٰن صاحب براہِ مہربانی فرما دیں کہ جبکہ سلف صالح کے برخلاف قرآن شریف کے معنے کرنے سے انسان ملحد ہوجاتا ہے اور اسی وجہ سے یہ عاجز بھی ان کی نظر میں ملحد ہے کہ خدا تعالیٰ کے الہام سے بعض آیات کے معنے مخفی ظاہر کرتا ہے تو پھر مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی کی نسبت جو ان کے مرشد ہیں کیا فتویٰ ہے جن کو ایسے ایسے الہام بھی ہوگئے کہ جو آیتیں خاص پیغمبروں کے حق میں تھیں وہ امتی لوگوں کے حق میں قرار دیدیں۔ چنانچہ دو دفعہ بعض وہ آیتیں جو صحابہ کبار کے حق میں قرآن کریم میں تھیں اس عاجز کی طرف اپنے خط میں لکھ کر بھیجدیں کہ آپ کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا ہے۔ انہیں میں سے یہ آیات بھی ہیں (۱) قد افلح من زکھا (۲) انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین ۔ اور یہ عاجز کہ مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم سے محبت اور حسن ظن رکھتا ہے تو درحقیقت اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ عاجز منجانب اللہ مامور ہونے والا ہے اور انہوں نے کئی خط لکھے۔ اور اپنے الہامات متبرکہ ظاہر کئے۔ اور بعض لوگوں کے پاس اس بارے میں بیان بھی کیا اور علم کشف میں بھی اپنی یہ مراد ظاہر کی''۔

حافظ محمدؐ یوسف صاحب کی شہادت:

حافظ محمدؐ یوسف صاحب ضلعدار نہر امرتسر میں رہتے تھے اور انکو مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب سے بہت محبت اور اخلاص تھا انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے یہ بیان کیا کہ:

''مولوی عبداللہ غزنوی صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف کی بنا پر یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا۔ مگر افسوس میری اولاد اس سے محروم رہ گئی''۔

حافظ محمدؐ یوسف صاحب کو حضرت مرزا صاحب سے بھی بڑی ارادت اور عقیدت تھی مگر بعد میں انہیں منشی الٰہی بخش صاحب کی مخالفت کے سلسلہ میں ابتلا آیا اور وہ حضرت مرزا صاحب کے مخالف ہوگئے۔ مگر اپنے بیان کی جو احمدی اخباروں میں شائع ہوتا رہا کبھی انہوں نے تردید نہیں کی۔

حافظ محمدؐ یوسف صاحب کے بھائی منشی محمدؐ یعقوب صاحب کی شہادت:

حافظ محمدؐ یوسف صاحب کے بڑے بھائی منشی محمدؐ یعقوب صاحب تھے انہوں نے ۱۸۹۳ء میں عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کے دن امرتسر کی عیدگاہ میں مباہلہ کے بعد بیعت کی تھی۔ مگر اپنی بیعت

سے سات سال قبل ۱۸۸۶ء میں جب حضرت مرزا صاحب ابھی بیعت لینے کے لئے مامور نہ تھے۔ انہوں نے بمقام ہوشیار پور جبکہ حضرت مرزا صاحب شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ اور بعض دوسرے لوگوں کے سامنے جو بیان دیا اس کا مفہوم حضرت مرزا صاحب اپنی قلم سے تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب مرحوم سے ایک دن میں نے (یعنی محمدؐ یعقوب صاحب نے۔ ناقل) سنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز (حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے''۔

منشی محمدؐ یعقوب صاحب کا بیان ۱۸۹۱ء میں شائع ہو گیا۔ جس وقت وہ بیعت میں شامل نہ تھے اور انہوں نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ بلکہ مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب کی اس شہادت کی بنا پر آخر انہوں نے ۱۸۹۳ء میں حضرت مرزا صاحب کی بیعت بھی کر لی۔

مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد ان سے حضرت مرزا صاحب کی کشفی حالت میں ملاقات:

مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد ان سے حضرت مرزا صاحب کی عالمِ رویا میں ایک دفعہ ملاقات ہوئی جس کی کیفیت خود حضرت مرزا صاحب اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں نے اس بزرگ باصفا کو خواب میں ان کی وفات کے بعد دیکھا کہ سپاہیوں کی صورت پر بڑی عظمت اور شان کے ساتھ بڑے پہلوانوں کی مانند مسلح ہونے کی صورت میں کھڑے ہیں۔ تب میں نے اپنے الہامات کا ذکر کر کے ان سے پوچھا کہ مجھے ایک خواب آئی ہے اس کی تعبیر فرمائیے۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ جب میں اس کو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس سے قتل ہو جاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزار ہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں۔ تب حضرت عبد اللہ صاحب مرحوم اس میری خواب کو سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور بشاشت اور انبساط اور انشراح صدر کے علامات آثار ان کے چہرہ میں نمودار ہو گئے۔ اور فرمانے لگے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ آپ سے بڑے بڑے کام لے گا۔ اور یہ جو دیکھا کہ دائیں طرف تلوار چلا کر مخالفوں کو قتل کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ اتمام حجت کا کام ہے کہ جو روحانی طور پر انوار و برکات کے ذریعہ سے انجام پذیر ہو گا۔ اور یہ جو دیکھا کہ بائیں طرف تلوار چلا کر ہزار ہا دشمنوں کو مارا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ سے عقلی طور پر خدا تعالیٰ الزام و اسکات خصم کرے گا۔ اور دنیا پر دونوں طور سے اپنی حجت پوری کر دے گا۔ پھر بعد اس کے انہوں نے فرمایا کہ جب میں دنیا میں تھا تو میں امیدوار تھا کہ خدا تعالیٰ ضرور کوئی آدمی ایسا پیدا کرے گا۔ پھر حضرت عبد اللہ صاحب مرحوم مجھ کو ایک وسیع مکان کی طرف لے گئے جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کامل لوگوں کی بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن سب کے سب مسلح اور سپاہیانہ صورت میں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کوئی جنگی خدمت بجالانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں جو بہت جلد آنے والا ہے پھر اس کے بعد آنکھ کھل گئی''۔

حضرت مرزا صاحب کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی وفات

وفات کی خبر:

۱۸۷۶ء میں آپ کے والد یک مرتبہ ہی بیمار ہو کر فوت

ہوگئے۔ ان کی بیماری اور وفات کا تذکرہ خود حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب البریہ میں فرمایا ہے اس لئے ان کے قلم سے ہی یہ واقعہ سن لیجئے:

''مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب انکے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان پہنچا ن اور انکو مرض زحیر میں مبتلا پایا، لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہوجائیں گے کیونکہ مرض کی شدت کم ہوگئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب (یعنی آپ کے والد صاحب) نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم ذرا آرام کرلو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں گیا اور ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہوکر مجھے الہام ہوا **والسماء والطارق** یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاوقدر کا مبدأ ہے۔ اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہوجائے گا.......

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن کے حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں (وہ سرکار انگریزی کی طرف سے پنشن پاتے تھے اور نیز ایک رقم کثیر انعام کی پاتے تھے جو انکی حیات سے مشروط تھی۔ ناقل) پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئے گا۔ تب اسی وقت یہ دوسرا الہام ہوا **الیس اللہ بکاف عبدہ** یعنی کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا پس مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کرکے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں انکا شمار کرسکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہوگئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کرسکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو انہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اس کی انگشتری بنائی جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گزری۔ ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور وشور سے سلسلہ مکالمات الہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ میرا کونسا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے نہیں رک سکتی۔ سو یہ اسی کی عنایت ہے''۔

☆☆☆

درس قرآن

مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد علی لاہوریؒ کے قلم سے

الم۝ذالک الکتٰب لاریب فیه. هدیً للمتقین.

ترجمہ: میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔

یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔

تشریح: اس سورت کا خلاصہ مضمون یہ بتاتا ہے کہ مسلمان کس طرح ایک کامیاب اور زندہ قوم بن سکتے ہیں، چنانچہ رکوع (۱) میں سب سے پہلے ان اصولوں کا ذکر کیا جو اسلام کی بنیاد ہیں اور بتایا کہ جو ان پر عمل پیرا ہوں گے، وہ کامیاب ہوں گے اور جو ان کی پروانہ کریں گے دکھ اٹھائیں گے۔ (۲) میں پھر ایک اور گروہ (منافقین) کا ذکر کیا جو منہ سے تسلیم کرتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ (۳) میں پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر کیا اور اس سے اس کی توحید کے دلائل دیئے اور اس کی عبادت کو ضروری ٹھہرایا۔ (۴) میں پھر انسان کے کمال کا ذکر فرمایا اور اس کمال تک پہنچنے کی راہ بتائی کہ بغیر نبوت کے وہ کمال حقیقی کو حاصل نہیں کرسکتا۔ (۵) میں کمال کے بعد گر جانے کے خطرہ سے ڈرایا اور یہود کا ذکر کیا جو ایک منعم علیہ قوم تھی مگر بوجہ اپنی نافرمانیوں کے رد کی گئی اور ان کو بتایا کہ اب بھی اگر اس نبی کو مان لو جو تمہاری اپنی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں شوکت وعظمت دے گا۔ (۶ تا ۹) میں پھر ان پر جو جو انعامات کیے اور جو جو نافرمانیاں انہوں نے کیں ان کا ذکر فرمایا اور ضمناً مسلمانوں کو سمجھایا بھی۔ (۱۰) میں پھر بنی اسرائیل کے میثاق اور ان کی خلاف ورزی کا ذکر کرکے مسلمانوں کو سمجھایا کہ وہ ایسی غلطی نہ کریں۔ (۱۱) میں پھر بنی اسرائیل کے ان اعتراضوں کا ذکر کیا جو انہیں اسلام پر تھے اور ان کا جواب دیا کہ کیوں بنی اسرائیل میں یہ نبی نہیں آیا (۱۲) میں پھر ان کے عداوت میں اور ترقی کر جانے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف فری میسنوں والے منصوبوں کا ذکر کیا۔ (۱۳) میں پھر بتایا کہ اگر پہلی شرائع کو ہم نے منسوخ کیا ہے تو ان سے بہتر شریعت تم کو دے دی ہے، اور بتایا کہ نجات تو صرف اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اور مخلوق کے ساتھ احسان کرنے سے ملتی ہے، نہ برائے نام کسی مذہب کا پیرو ہوجانے سے۔ (۱۴) میں پھر بتایا کہ تھوڑی بہت سچائی ہر مذہب میں ہے مگر اسلام کامل صداقتوں کا مجموعہ ہے۔ (۱۵) میں پھر فرمایا کہ موسیٰ کی پیشگوئی سے اوپر چلو تو ابراہیم کے ساتھ بھی تو یہی وعدہ تھا کہ اس کی اولاد کو برکت دی جائے گی اور وہ اپنی اولاد کے ایک حصہ کو مکہ معظّمہ چھوڑ کر اور وہاں دعائیں کرکے اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آخر رحمت الٰہی اس چشمہ سے پھوٹ کر تمام دنیا کو سیراب کرے گی اور کعبہ کو قبلہ قرار دیا۔ (۱۶) میں پھر بتایا کہ اسی ابراہیمی مذہب پر یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط سے بچ کر یہ نبی کھڑا ہوا ہے۔ (۱۷، ۱۸) میں پھر بتایا کہ جب ابراہیم کی دعاؤں کی صداقت یوں ظاہر ہوئی تو یہ بھی ضروری تھا کہ اس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ کعبہ قرار دیا جاتا اور مسلمانوں کو بھی سمجھایا کہ یہ ایک قبلہ تمہارے اتحاد کا مرکز ہے۔ (۱۹) میں پھر بتایا کہ کامیابی کے لیے مسلمانوں کو مال وجان کی بہت سی قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ ان اصولی باتوں کو طے کرکے اور (۲۰) میں پھر خدا تعالیٰ کی توحید کے مضمون کو دوہرا کر شریعت کی تفصیلات کی طرف رجوع کیا، یہ دکھانے کے لیے کہ یہ شریعت تفصیلات میں بھی ویسی ہی باتیں یا ان سے بہتر باتیں بتاتی ہے جو یہود کی شریعت میں تھیں۔ چنانچہ غذاؤں کے حرام وحلال، قصاص، وصایا، روزوں، جنگ، حج، شراب، جوا، یتامیٰ، زناشوئی کے تعلقات ، اور طلاق، بیواؤں کا ذکر کر (۳۲، ۳۳) میں پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا کہ جس طرح بنی اسرائیل ایک مردہ قوم تھی جہاد اور کوشش سے خدا نے اسے زندہ کردیا، اسی طرح مسلمانوں کو بھی اب جہاد اور کوشش کرنا ضروری ہے۔ (۳۴) پھر خدا تعالیٰ کے حی وقیوم ہونے کا ذکر کرکے یہ اشارہ کیا کہ اب وہ اپنے نام لیواؤں کو زندگی بخشے گا اور انہیں بڑی قوم بنائے گا مگر ان کو اکراہ فی الدین سے روکا۔

(۳۵) پھر بتایا کہ کیونکر وہ مردہ قوموں کو زندہ کیا کرتا ہے، حضرت ابراہیم اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے دو واقعات کا ذکر کیا۔ (۳۶و ۳۷) میں پھر کھول کر بتایا کہ اصل جڑ ساری کامیابیوں کی انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اگر اس وقت ایک ایک دانہ ڈالو گے تو کل کو سینکڑوں نہیں ہزاروں اور لاکھوں دانے تمہیں ملیں گے۔ (۳۸) پھر بتایا کہ قربانیاں کر کے جب دولت مند ہو جاؤ تو سود نہ کھانا، کیونکہ سود خور قوم آخر تباہ ہو جاتی ہے، اور اخلاق فاضلہ سے عاری رہتی ہے۔ (۳۹) وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے حقوق کی خوب نگہداشت کیا کرو اور لین دین کے معاملات کو لکھ لیا کرو، اور سب سے آخر سب رسولوں پر ایمان لانے کا تذکرہ کر کے بتایا کہ کامیابی اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ کامل اطاعت نہ کرو اور اس کے ساتھ خدا سے دعائیں نہ مانگو، اپنا زور بھی پورا لگاؤ پھر خدا کے حضور بھی گرے رہو تو ہم کافروں کے مقابلہ میں تمہاری نصرت کریں گے۔

اصول اسلام کی قبولیت اور انکار کے نتائج

اس کے بعد وہ اصول بیان فرما دیئے ہیں جن پر چل کر انسان ہدایت کو پا سکتا ہے اور وہ کل پانچ اصول ہیں تین عقائد کے رنگ میں یعنی ایمان بالغیب (اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ پر ایمان) اللہ تعالیٰ کی وحی پر ایمان۔ اس پر جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر جو آپ سے پہلے انبیاء پر دنیا میں نازل ہو چکی اور آخرت یعنی اعمال کی جزا و سزا پر یقین۔ اور دو عمل کے رنگ میں۔ صلوٰۃ یعنی نماز اور دعا جو حقوق اللہ کا خلاصہ ہے اور انفاق یعنی اپنی قوتوں اور مال کو مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے خرچ کرنا جو حقوق العباد کا خلاصہ ہے۔ پھر اس کا آخری نتیجہ بتایا کہ وہ کامیاب اور بامراد ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ پہلے رکوع میں بیان فرما دیا اور یہ سورت ابتدا کے لیے ایسی موزوں ہے کہ اگر اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو دوسری کوئی سورت اس کی جگہ نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ اور کسی سورت کی ابتدا میں اس طرح اصول اسلامی کو مکمل طور پر بیان نہیں کیا گیا اس سے قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کا من جانب اللہ ہونا صاف ظاہر ہے۔

الٓمٓ۔ یہ حروف جو بعض سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں مقطعات کہلاتے ہیں اور قرآن کریم کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں عام طور پر ترجموں میں ان کے معنی نہیں کئے جاتے۔ حالانکہ صحابہؓ سے ثابت ہیں۔ یہ حروف الفاظ کے قائم مقام ہیں اور حروف سے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا تمام زبانوں میں مروج ہے۔ آج کل انگریزی میں تو یہ رواج بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ عرب میں بھی یہ دستور تھا۔ چنانچہ اس مصرعہ میں "قلت لها قفی قالت قاف" ق کے معنی قد وقفت ہیں یعنی میں ٹھہر گئی۔ اور بھی کئی مثالیں اس کی ہیں مگر عربی میں کوئی مقررہ قاعدہ نہ تھا کہ فلاں حرف سے فلاں لفظ کی طرف اشارہ ہوگا بلکہ سیاق وسباق سے معلوم کیا جاتا تھا۔ اس لیے قرآن کریم میں بھی یہ ضروری نہیں کہ ایک جگہ جو معنی ایک حرف کے لیے گئے ہیں دوسری جگہ بھی وہی ہوں۔ ہاں جو مجموعہ ایک ہی طرح پر آیا ہے اس کا مفہوم ایک ہی ہے جیسے الٓمٓ کہ اس سورت کے علاوہ پانچ اور سورتوں کی ابتدا میں ہے۔ یعنی آل عمران جو البقرہ کے بعد آتی ہے اور العنکبوت، الروم، لقمان، السجدۃ جو چاروں مکی ہیں اور ترتیب قرآنی میں ایک جگہ ہیں گویا کل چھ سورتوں کے شروع میں الٓمٓ

نفی ریب کا دعویٰ اور اس کی دلیل:

یہاں اس کتاب میں ریب کی نفی کی ہے یہ ایک دعویٰ ہے جس کی صداقت کے لیے آگے چل کر فرمایا **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ**. اس سے کوئی مخالف آج تک عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ اس لیے یہ دعویٰ سچا اور ثابت شدہ قرار پایا۔

قرآن ھدی للمتقین کیونکر ھے : یہاں قرآن شریف کو ھدیً للمتقین فرمایا یعنی متقیوں کے لیے ہدایت ہے، اور دوسری جگہ ھدیً للناس فرمایا۔ یعنی سب لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ ہدایت کے مختلف معنوں کے لحاظ سے یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ اس معنی سے سب لوگوں کے لیے ہدایت ہے کہ راستہ سب کو دکھا دیا اور کسی کے لیے کوئی روک نہیں جو چاہے اسے اختیار کرے، جو نہ چاہے نہ کرے، اور متقیوں کے لیے اس معنی سے ہدایت ہے کہ ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

متقی کو ھدایت کی ضرورت

یہ کہنا کہ جو متقی ہے اسے ہدایت کی ضرورت نہیں، لغو بات ہے۔ متقی وہی ہے جو اپنے آپ کو حق تلفیوں سے ضرر دینے والی چیزوں سے اور گناہ سے بچاتا ہے۔ اس کو ضرورت ہے کہ اسے بتایا جائے کہ یہ حقوق تمہارے ذمہ ہیں۔ (**باقی صفحہ 3 پر**)

اچھوت اور جملہ اقوام عالم کی نجات قبول اسلام میں ہے

اسلام ہر زمانہ میں اپنی تعلیم کی عالمگیر خوبیوں کی وجہ سے باعث کشش رہا ہے

****

فاقم وجهك للذين حنيفا. فطرت الله التى فطر الناس عليها. لاتبديل لخلق الله ذالك الدين القيم. ولكن اكثر الناس لايعلمون. (الروم.۳۰)

دین اسلام کی طرف راست رو ہو کر اپنے منہ کو قائم کرو، کیونکہ یہ دین فطرت ہے اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور فطرت لاتبدیل ہے، اس لئے یہ بھی لاتبدیل ہے۔لیکن اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں۔آج کل بھارت میں ہریجن یعنی اچھوت اقوام کی اسلام میں داخل ہونے کی تحریک زوردار طریقے سے چل رہی ہے اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوتے جارہے ہیں۔یہ بات اگر ایک طرف دین اسلام کی صداقت پر ایک زبردست دلیل ہے اور اس بات کی شہادت بھی ہے کہ یہ دین مساوات انسانی کا درس دیتا ہے اور اس میں رنگ اور نسل کو کوئی اہمیت نہیں ہے، تو دوسری طرف یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ دین جبر وا کراہ کا دین نہیں ہے اور اس اعتراض کی بھی بیخ کنی کرتا ہے کہ دین اسلام کے لئے کسی زمانہ میں جبر وتشدد کیا گیا تھا جس کی وجہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔اکثر لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ جب مسلمانوں کے ہاتھ اقتدار اور حکومت تھی تو انہوں نے لوگوں کو جبر کے ذریعہ دین اسلام میں داخل کیا۔لیکن اس قسم کے اعتراض کی یہ واقعاتی شہادت تردید کررہی ہے کیونکہ موجودہ صورت میں بھارت کے حکمراں ہندو ہیں، اور حکومت کا مذہب بھی رام راج ہے۔اس کے باوجود ہریجن اسلام قبول کررہے ہیں۔گو ہندو ان پر مسلمانوں کی طرف سے اقتصادی امداد حاصل کرنے کا الزام لگارہے ہیں لیکن ان ہریجنوں کی طرف سے صاف وضاحت ہے کہ '' ہم مرجائیں گے لیکن ہندو نہیں کہلائیں گے''۔کیونکہ انہوں نے اس حقیقت کو پالیا ہے کہ ان کی انسانی عظمت کا انحصار صرف اسلام میں ہے۔اور ان کی اخروی نجات بھی ایسے ہی دین میں ہے۔اگر لوگ ہندو حکومت کے ہوتے ہوئے اسلام قبول کررہے ہیں تو یہ اسلام کے اصولوں کی عمدگی اور صداقت اور فطرت کے مطابق ہونے بڑی دلیل ہے۔اس سے وہ خدشات بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں کہ ابتدائی اسلامی دور میں لوگوں پر جبر وتشدد کرکے انہیں اسلام میں داخل کیا جاتا تھا، اور لوگ ان کی ترغیب اور تحریص سے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر مجبور ہوجاتے تھے اگر ایسا ہوتا تو آج پورے ہندوستان میں کوئی ہندو نہ ہوتا کیونکہ مسلمانوں نے پورے اقتدار کے ساتھ آٹھ سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔لیکن اس وضاحت کے باوجود اگر اعتراض پر اصرار ہو تو موجودہ تحریک تبدیلی مذہب میں تو کسی حکمراں کی ترغیب شامل نہیں ہے اور اس تحریک قبول اسلام میں کسی دباؤ کا امکان بھی نہیں ہے۔ظاہر ہے کہ اسلام قبول کرنے والے لوگوں کو اگر ایک طرف اپنے مذہب اور اہل مذہب میں کوئی کشش اور جذب نظر نہیں آیا تو دوسری طرف اسلام میں عظمت انسانیت ، مساوات، مواخات، اور پاکیزگی جیسے پرکشش اصول نظر آئے ہیں جنہوں نے ان کو داخل اسلام ہونے کی اپیل کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی دور میں بھی جبر کا مذہب نہیں رہا۔بلکہ ہمیشہ ہی یہ ان مسلمان بزرگوں اور روحانی پیشواؤں کے عملی نمونہ اور اشاعت قرآن وسنت کے باعث لوگوں کے لئے قبولیت کا موجب بنتا رہا ہے۔یہ روحانی پیشوا کسی حکومت کے حامل نہیں ہوتے تھے، بلکہ صرف خدا کی طرف بلاتے تھے اور اپنے عملی نمونہ سے اور اسلام کی عمدہ تعلیم کے علاوہ ان

کے پاس تبلیغ دین کے لئے کوئی بھی ترغیب وتحریص کا سامان نہیں تھا۔ درحقیقت حلقہ بگوش اسلام ہونے کی بھارت میں تحریک کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے ہندو مذہب سے بغاوت کی ہے جو انسانوں میں نسل اور رنگ کی بنیاد پر فرق مراتب کی بدترین مثال ہے کیونکہ ہندو مذہب میں برہمن زادہ خواہ کیسے ہی بدکردار اور بداخلاق کا حامل ہو وہ اچھوت اور شودر سے (خواہ وہ شودر کتنے ہی اچھے اخلاق واعمال کا مالک ہو) افضل سمجھا جاتا ہے اور شودر کا کمتر ہونا صرف اس جرم کی وجہ سے ہے کہ وہ شودر کے گھر پیدا ہوا۔ اس لئے وہ خواہ کتنے ہی اعلیٰ اخلاق والا ہو مقام نفرت پر ہی رہے گا۔ بھلا کسی بچے کا اپنی پیدائش میں کیا قصور ہے کیونکہ پیدا تو خدا کرتا ہے، چاہے وہ برہمن کے گھر پیدا کرے اور چاہے کسی شودر کے گھر لیکن یہ اصول یقیناً غیر فطری ہے جس کی کوئی بھی سلیم الفطرت قبول نہیں کرسکتا، اور اسلام چونکہ ایک فطری دین ہے اس لئے وہ اس غلط اصول کا مخالف ہے اور اس کی نظر کسی انسان کی برتری، اس کے اعمال کے اعتبار سے ہے نہ اس کی نسل ورنگ کے اعتبار کی وجہ سے۔

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا صاحبؒ نے فرمایا ہے:

''کہ دین میں جبر مت کرو، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی جبر نہیں کیا تھا۔'' جو لوگ اسلام پر جبر کا الزام لگاتے ہیں جب ان سے کوئی معقول بات نہیں بنتی تو گریز کی راہ اختیار کرتے ہیں، حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی پیشانی پر جبر واکراہ کا بدنما داغ دور کردیا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کو واضح کردیا کہ اسلام اصول فطرت کے مطابق دین ہے۔ اس میں جبر واکراہ کو دخل نہیں، اس کو حکومت اور رعب داب سے لوگوں کو منوانے کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ فطرتاً پرکشش ہے صرف لوگوں تک عملاً پہنچانے کی ضرورت ہے۔ عام علماء کی نظر میں یہ بات ہے کہ جب تک حکومت، قوت، شوکت اور رعب وداب حاصل نہ ہو تو اس دین کی تبلیغ مفید نہیں ہوسکتی۔ لیکن بانی احمدیہ نے اس بات کی تردید کی اور بتایا کہ اسلام کو اپنی قبولیت کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں کہ اس کے پاس تلوار یا طاقت ہو اور اسی وجہ سے لوگوں نے آپ کو جہاد کا منکر قرار دیا۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس خیال کے حامل ہیں کہ دین سے پھرنے والوں کی گردن اڑا دینی چاہئے۔ یقیناً ایسے دین سے لوگوں میں نفرت پیدا ہوگی جو جبر وتشدد کا دین ہو۔ لیکن بحمداللہ دین اسلام تو دلیل و برہان کا حامل دین ہے اس میں جبر واکراہ نہیں بلکہ یہ دین فطری اور سائنٹیفک دین ہے جس کے دلائل کا توڑ نہیں۔ اس زمانے میں جبکہ علم وسائنس اور معقولیت کا دور دورہ ہے، جبر واکراہ کے عقائد کو نہ تو پیش کیا جاسکتا ہے، اور نہ وہ قابل قبول ہیں۔ بلکہ جو دین معقول، اصول اور فطری خوبیوں کا حامل ہو وہی دین قابل توجہ ہوسکتا ہے اور یقیناً وہ دین اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد زبردست ہے جو کسی جبر کے باعث مسلمان نہیں ہوئے بلکہ وہ بھائی چارہ، مساوات اور اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے غربت کے باوجود اسلام سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ازخود کسی کے گھر پیدا ہوجائے۔ بلکہ جہاں اور جس گھر میں خدا کسی کو پیدا کرے گا وہ وہیں پیدا ہوگا اور ان میں امیر غریب، مسلمان عیسائی، ہندو وسکھ اعلیٰ اور ادنیٰ کے لئے کوئی تخصیص اور تفریق نہیں ہے۔ اس لئے کسی کا اپنی پیدائش کی وجہ سے قابل نفرت ہونا اور انسانیت کی عظمت سے محروم ہونا قابل فہم ہی نہیں بلکہ انتہائی غیر فطری اور نامعقول ہے اور اسلام ایسی نامعقولیت کا قلع قمع کرتا ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ مسلمانوں کو اشاعت اسلام کا شغف نہیں ہے اور نہ ہی اسلام کو پیش کرنے کی طرف توجہ ہے۔ مسلمانوں میں سیاسی تحریکیں ہیں، فرقہ سازی اور گروہ بازی کی تحریکیں تو بڑے زور وشور کی ہیں۔ لیکن اسلام کو پیش کرنے کا کوئی جذبہ کارفرما نظر نہیں آتا۔ اس کی اصل وجہ اسلام سے علمی وعملی دلچسپی نہ ہونا ہے۔ یہ اس زمانے میں حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت پر دلیل اور برہان ہے کہ انہوں نے بتلایا کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اس لئے اس کو منوانے کے لئے کسی جبر وتشدد کی ضرورت نہیں۔ فطرت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے یہ ہر انسان کو اپیل کرتا ہے اس کے علاوہ اشاعت دین کا موقع بھی موجود ہے کہ آج بین الاقوامی سفری سہولتیں موجود ہیں اس لئے انسان دور دراز ممالک میں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے قریب ترین ہوگیا ہے۔ (**باقی صفحہ 12 پر**)

ملفوظات حضرت مجدد صد چہار دہم رحمۃ اللہ علیہ

جماعت احمدیہ کے قیام کے دو اہم مقاصد

تقویٰ قائم کرنے کیلئے سلسلہ بیعت جاری کیا گیا ہے

یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے۔ تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت وعظمت ونتائج خیر کا موجب ہو اور وہ ببرکت کلمہ واحد پر متحد ہونے اسلام کی پاک ومقدس خدمات میں کام آسکیں اور کاہل اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں، اور نہ ان نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ وناتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرے کو اپنی فلسفیانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ نشینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ خبر نہیں۔ اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں، اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردیٔ بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر اور ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔

وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے۔ اس کو دور کر کے محبت اور اخلاق کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں، ان کو ظاہر کروں اور وہ روحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے اس کا نمونہ دکھاؤں اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں، حال کے ذریعے نہ صرف مقال کے ذریعہ سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اب نابود ہو چکی ہے اس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودا لگا دوں اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہو گا بلکہ خدا کی طاقت سے جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔

جماعت احمدیہ کے واعظ کیسے ہونے چاہئیں

یہ امر بہت ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں تا کہ ان نیک نمونوں کا اثر دوسرے لوگوں پر پڑے۔ عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے۔ جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے وہ دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ ان کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ سننے والے جب دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والا خود عمل نہیں کرتا تو وہ ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اس لئے سب سے اول جس چیز کی ضرورت واعظ کو ہے وہ اس کی عملی حالت ہے۔ دوسری بات جو ان واعظوں کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کو صحیح علم اور واقفیت ہمارے عقائد اور مسائل کی ہو۔ جو کچھ ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کو

انہوں نے پہلے خود اچھی طرح سمجھ لیا ہو، اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں کہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ ہوں، اور جب کسی نے اعتراض کیا تو گھبرا گئے کہ اب اس کا کیا جواب دیں۔ غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان میں زبان اور دل ہو یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے خوف و ہراس کے اظہار حق کے لئے بول سکیں اور حق گوئی کے لئے اس کے دل پر کسی دولت مند کا تمول یا بہادر کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کر سکے۔
(الحکم :۳۱/اگست ۱۹۰۰ء)

☆☆☆

(باقی صفحہ 10 کا)

اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور تحریک اشاعت اسلام ہو سکتی ہے۔ دوسری اقوام کے مذاہب میں مرکزیت اور عالمگیریت نہیں ہے۔ قومیں سیاست، تعلیم، کلچر اور تہذیب وثقافت کے اعتبار سے یکساں ہوتی جا رہی ہیں۔ خواجہ کمال الدین مرحوم اور حضرت امیر قوم مولانا صدرالدینؒ نے بتایا کہ ہم نے دوسرے ممالک کے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے پر زور نہیں دیا بلکہ صرف ان کے سامنے ان اصولوں کو رکھا جو اسلام پیش کرتا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم پہلے سے ہی ان سچائیوں کو قبول کر چکے ہیں۔ اگر اسلام کو علمی اور عملی طور پر غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کو فخر نہ کریں۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے آخری ایام زندگی میں ہی احمدیہ بلڈنگس میں ''پیغام صلح'' کتاب لکھی جس میں دیگر غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کو کہا کہ اگر آپ لوگ حضرت محمد ﷺ کی اہانت سے رک جاؤ تو مسلمانوں میں اور تم لوگوں میں صلح ہو سکتی ہے تو اس طرح صلح کرنا لوگوں کو اسلام کے قریب لانا ہے اور لوگوں کو اس دین کے قبول کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، کیونکہ یہ فطرت کے عین مطابق ہے جو انسانیت کی طلب ہے۔
(ماخوذ: پیغام صلح، ۲/ستمبر ۱۹۸۱ء)

☆☆☆

(باقی صفحہ 13 کا)

اس لیے وہ ہرگز ہمارا رہبر و رہنما نہیں ہو سکتے مگر حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے ایک ایک دن کا حال ہم پر پورے طور پر منکشف ہے۔ تیرہ برس تک آپ کو طرح طرح کے دکھ اور اذیتیں دی گئیں۔ آپ نے صبر و استقلال اور برداشت کی عمدہ مثال قائم کی، پھر غالب آ کر بھی ایسی حالت میں جبکہ آپ کے دشمن آپ کے قدموں میں پڑے تھے اور آپ کو اپنا انتقام لینے اور ان کو تباہ و برباد کر دینے کا پورا پورا اختیار حاصل تھا آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ کوئی شخص رحم دل اس وقت کہلا سکتا ہے جب اسے انتقام لینے کا پورا موقعہ اور طاقت میسر ہو تو وہ معاف کر دے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو غرور کا احساس تک بھی نہ تھا کیونکہ آپ بادشاہت کی حالت میں بھی خود اپنے گھر میں جھاڑو دیتے اور خود اپنی جوتیوں کو گانٹھتے تھے۔ آپ نے اپنا تمام مال و دولت محتاجوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کر دی۔ اور آپ کی زندگی پیدائش سے لے کر مرنے تک دنیا کے لئے نمونہ ہے۔ اسلام نے ہمیں ایثار اور نیک کاموں کی ہدایت کی ہے۔ یہی وہ پاکیزہ شعار ہیں جو ہمیں بہشت کا وارث بنا سکتے ہیں، نرا زبانی ایمان اور اقرار کسی کام کا نہیں۔ اگر اس کے ساتھ نیک اعمال نہ ہوں۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور تمام انسانوں کی باہمی اخوت و برادری، اسلام کے ہمہ گیر بے نظیر اصول ہیں، یہ ایسا اصول ہے جس پر مسلمانوں کو فخر کرنا چاہئے۔ مجھے مسلمان ہونے پر کبھی بھی کوئی افسوس نہیں ہوا، اور نہ ہی میں خدا اور اپنے پاک رسول ﷺ کا دامن پکڑنے پر کبھی شرمندہ ہوں گا۔ اشھد ان لاالہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدرسول اللّٰہ۔ (بحوالہ: میرا قبول اسلام، ص:۱۶۰ تا ۱۶۵)

☆☆

زندہ جاوید مذہب اسلام ہے

عیسائیت سے دستبردار اور قبول اسلام کرنے والے شیخ خالد شیلڈ مسلم مشنری انگلستان کا بیان

مجھے اپنے والدین کے حکم سے چرچ آف انگلینڈ کے قواعد کی سختی سے پابندی کرنا پڑتی تھی۔ سات سال تک میں گویّا بنا رہا۔ ہمارا پادری ایک ایسا شخص تھا جس کی میں اب بھی ہر طرح عزت کرتا ہوں۔ وہ راستباز، متحمل مزاج خطا بخش، چشم پوش، صادق الوعد تھا۔ لڑکپن کے زمانہ میں مذہب کی طرف سے مجھے کوئی دکھ نہیں پہنچا۔ میری عبادت گویا خود کار آلہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کے بعد مجھے دنیا کی مصروفیات نے آن گھیرا، اور بالکل نئے علائق سے واسطہ پڑا۔ میرے بچپن کے ساتھی دہریہ اور رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ اس لیے میرے اور ان کے درمیان روزمرہ مباحثات کا سلسلہ گرم رہتا۔ ان مباحثات میں پہلی دفعہ میرے عقائد پر حملہ ہوا، چونکہ اس میں میں بہت حد تک متزلزل ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے اپنے رفقاء کے اعتراضات کو رد کرنے کے لئے تحقیق و دریافت کرنے کی قسم کھالی۔

اس تردد اور پریشانی کی حالت میں میں نے پڑھنا اور مسیحی درسوں میں جانا شروع کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں کئی ایک بیان کردہ اقوال پر ایمان نہیں رکھتا، میں نے ردعیسائیت کی کتب کا مطالعہ کیا، جس سے میرا ایمان خطرے میں پڑ گیا۔ میں مقدور بھر تمام مذہبی فرقوں میں جا کر ان کا مطالعہ کرتا۔ اور ان سب کی تواریخ اور تعلیمات پر غور کرتا رہا۔ اس جدوجہد میں صرف ایک فرقہ نے میری توجہ مبذول کیا، یہ یونیٹرین چرچ کا فرقہ تھا۔ تاہم میں تثلیث کا پہلے سے معتقد ہونے کے باعث ضد اور ہٹ کی وجہ سے ابھی تک نہایت شوق، مستعدی بلکہ سرگرمی سے اسی آرزو میں مطالعہ کرتا رہا کہ مجھے پختہ یقین ہو جائے کہ عیسائیت ہی ایک سچا مذہب ہے اور دوسرے مذاہب باطل ہیں۔ میں ابھی تک دوسرے مذاہب اور فرقوں کے بالکل خلاف تھا اور میرے اس مطالعہ میں تنگ دلی، کم ظرفی اور خشک مزاجی کا رنگ غالب تھا۔ بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ مذہب جسے میں نے اپنی فطرت اور عقل کے مطابق ہونے کی وجہ سے اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہے۔ عیسائی گرجوں کی تعلیم سے مختلف ہے۔ سب سے پہلے میں نے محسوس کیا کہ گرجوں نے مجھے تعلیم دی ہے کہ میں گناہ کی وجہ سے حمل میں آیا ہوں اور یوں انہوں نے میرے قریب ترین اور سب سے زیادہ پیارے رشتہ دار والدین کی سخت توہین کی ہے۔ میں نے پڑھا کہ وہ دونوں میری پیدائش کی خاطر ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بھلا میں اس بات کو مان کر ان کا بیٹا کہلا سکتا تھا؟ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ میں خود فطرتاً گنہگار ہوں، اور میں گناہ کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے میں اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق بہت زیادہ گناہ کر کے اور ایک بہت بڑا گنہگار بن کر خدا تعالیٰ کی رضا کا موجب ہوں گا۔ کیونکہ اس نے گناہ کو میری فطرت اور خلقت کا ایک لازمی جز بنایا ہے۔ انسانی سرشت کا یہ نقشہ کس قدر بھدا، بھیانک اور مضحکہ خیز ہے اور اس انداز فکر میں خالق حقیقی کی تدبیروں کی کیسی تحقیر و توہین کی گئی ہے؟ نیز خود اللہ تعالیٰ پر کتنا بڑا افترا اور کفر باندھا گیا ہے، علاوہ ازیں مجھے یہ بھی بتلایا گیا کہ میں گنہ گار ہونے کی وجہ سے تا حال دوزخ کا کندہ ہوں، جس کی تصویر اس میں کھولتا ہوا پانی اور گندھک کی وجہ سے بڑی مہیب اور ڈراؤنی ہے۔ اگر میں بپتسمہ لیے بغیر مر جاؤں تو میرے بچاؤ کی خواہ میں معصوم بچہ ہی کیوں نہ ہوں۔ کوئی صورت نہ ہوگی، اور میری روح فنا کر دی جائے گی۔ یہ عقیدہ اسلام کی اس تعلیم کے کس قدر خلاف ہے جو بعد میں مجھے معلوم ہوئی کہ تمام بچے فطرتی مذہب کے خواص لے کر پیدا ہوتے ہیں

پھران کے ماں باپ انہیں عیسائی، یہودی ہندو یا مسلمان بنا لیتے ہیں۔
پیغمبر خدا ﷺ کی اس حدیث سے عیسائیوں کے متذکرہ صدر اعتقاد کی کافی تردید ہوجاتی ہے۔ مجھے بائبل کی مختلف آیات سے معلوم ہوا کہ خداوند خدا رحیم وکریم خالق نہیں بلکہ ایک خونخوار دیو ہے، جس نے ایک ادنیٰ اور حقیر انسان کی عامہ خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تمام انسانیت کو تباہ کر دینا چاہا۔ مجھے یہ اعتقاد رکھنے کی تلقین کی گئی کہ خدا تعالیٰ بنی نوع انسان کو پیدا کرنے کے بعد یہاں تک اس کام کو بگاڑا کہ اس نے یہودیوں کے سوائے تمام دوسری قوموں کو تباہ کر دینا چاہا۔اسی خیال کی بنا پر یہ فرضی حکم بھی اس کی پاک ذات کی طرف منسوب کیا گیا۔ جو گویا اس نے یہودیوں کی برگزیدہ قوم کو دیا،اوران کو کہا کہ بنی نوع انسان میں سے ہرایک فرد کو قتل کر دو، اوران میں سے کسی کو بھی زندہ نہ رہنے دو۔کیا میں اس بات پر ایمان لاسکتا تھا، ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔خدا ان لوگوں کو معاف کرے جو اس کی اس طرح ہجو کرتے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار پیغمبر دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجے مگر انسان ضدی واقع ہوا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ابدی جہنم میں دھکیل دینا چاہا جس سے نجات کی صرف ایک ہی شرط تھی جو یوں پوری کی۔ (نقل کفر کفر نباشد) خداوند کے اکلوتے بیٹے نے نسل انسانی کی حمایت کی اور خداوند باپ اس پر رضا مند ہوگیا کہ اس کا بیٹا بطور قربانی ہلاک ہوجائے اوراس کے معصوم کندھوں پر تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔اس عقیدہ سے مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ خداوند اپنے انسانیت پرست بے قصور بیٹے کے قتل کا مجرم ہے مگراس نے اس جرم کا ارتکاب کیوں کیا؟ صرف اپنے اندھا دھند غیض وغضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے۔

اس عقیدہ کے بانیوں نے خدا کو ظالم اور قاتل کی صورت میں پیش کیا ہے۔وہ نہایت سخت کفر کے مرتکب ہوئے ہیں۔پھر یہ عقیدہ کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ خداوند خدا کا اکلوتا فرزند یسوع مسیح اس شرط پر کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا کہ وہ اس کے نجات دہندہ خون پر ایمان لائے، اوراس وقت یہ گیت گایا جاتا ہے کہ برّہ کے خون سے پاک کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی پادری یا کسی کفارہ کے معتقد نے کسی مقتل میں جا کرخون سے غسل کی ہو اور پھر وہ پاک ہوگیا، یہ بہت ہی قابل نفرت خیال ہے اور جہالت کی یادگار ہے جو بیسویں صدی کے دل ودماغ کے شایان شان نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کا پڑھا لکھا انسان اس پر کیونکر ایمان لاسکتا ہے۔ پھر یہ عقیدہ کہ باری تعالیٰ نے کوئی بیٹا اپنا متبنیٰ بنایا اوراس کو انسانی خواہشات عطا کیں۔ یہ بھی میرے خیال میں ایک کلمہ کفر ہے،مستزاد یہ کہ اگر کوئی شخص اس بناوٹی عقیدہ پر ایمان نہ لائے تو اسے موردِ تعزیر خیال کیا جاتا ہے۔ اللہ اللہ خدا کی ذات اقدس کا یہ تصور کس قدر ہولناک ہے۔حالانکہ آدم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہی کہا گیا ہے۔ مگر عیسائی ہم سے یہی منوانا چاہتے ہیں کہ یسوع ہی اس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ان اعتقادات کی رو سے خدا تعالیٰ گویا (نعوذ باللہ) اپنے بیٹے اور نسل انسانی کا سخت ترین دشمن ٹھہرتا ہے۔انسان کو فطرتاً گنہگار پیدا کرنا خود اسے بھی ہوا وہوس کا ہی شکار ثابت کرتا ہے۔ اور وہ تو ایک ایسا سخت صاحب فطرت ثابت ہوتا ہے جو انسان کو بھی کبھی ہی میسر آئی ہوگی۔ کیونکہ ایسا کون باپ ہوگا جو اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جان بوجھ کر اپنے ہی بیٹے کو قتل کردے۔ میں نے دیکھا کہ جس وقت عیسائی مذہب بڑے عروج پر تھا تو ہر شخص کو جو اپنی تسلی اور اطمینان کی خاطر ان عقائد پر جرح قدح کرتا............ یا تو اسے نار کی نذر کر دیا جاتا یا قید کر دیا جاتا۔ بائبل کی تاریخ اور واقعات تدوین سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ نامعلوم الاسم مصنفین کا مجموعہ ہے۔متی،مرقس،لوقا اور یوحنا وغیرہ ان اناجیل کے مصنف نہیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بائبل میں بہت کچھ دستبرد اور تحریف وتبدل ان چند سالوں میں بھی عمل میں آیا ہے۔مزید برآں عیسائی مذہب کبھی بھی تحمل وبردباری اور برداشت کا مذہب ثابت نہیں ہوا۔جونہی شہنشاہ فلسطین نے اس مذہب کو قبول کیا اس وقت سے ہم دیکھتے ہیں کہ تثلیث پرستوں نے

پھران کے ماں باپ انہیں عیسائی، یہودی، ہندو یا مسلمان بنالیتے ہیں۔

پیغمبر خدا ﷺ کی اس حدیث سے عیسائیوں کے متذکرہ صدر اعتقاد کی کافی تردید ہوجاتی ہے۔ مجھے بائبل کی مختلف آیات سے معلوم ہوا کہ خداوند خدا رحیم و کریم خالق نہیں بلکہ ایک خونخوار دیو ہے، جس نے ایک ادنیٰ اور حقیر انسان کی عامہ خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تمام انسانیت کو تباہ کردینا چاہا۔ مجھے یہ اعتقاد رکھنے کی تلقین کی گئی کہ خدا تعالیٰ بنی نوع انسان کو پیدا کرنے کے بعد یہاں تک اس کام کو بگاڑا کہ اس نے یہودیوں کے سوائے تمام دوسری قوموں کو تباہ کردینا چاہا۔اسی خیال کی بنا پر یہ فرضی حکم بھی اس کی پاک ذات کی طرف منسوب کیا گیا۔ جو گویا اس نے یہودیوں کی برگزیدہ قوم کو دیا، اور ان کو کہا کہ بنی نوع انسان میں سے ہر ایک فرد کو قتل کردو، اور ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ رہنے دو۔ کیا میں اس بات پر ایمان لاسکتا تھا، ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔ خدا ان لوگوں کو معاف کرے جو اس کی اس طرح ہجو کرتے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار پیغمبر دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجے مگر انسان ضدی واقع ہوا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ابدی جہنم میں دھکیل دینا چاہا جس سے نجات کی صرف ایک ہی شرط تھی جو یوں پوری کی۔ (نقل کفر کفر نباشد) خداوند کے اکلوتے بیٹے نے نسل انسانی کی حمایت کی اور خداوند باپ اس پر رضامند ہوگیا کہ اس کا بیٹا بطور قربانی ہلاک ہوجائے اور اس کے معصوم کندھوں پر تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔ اس عقیدہ سے مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ خداوند اپنے انسانیت پرست بے قصور بیٹے کے قتل کا مجرم ہے مگر اس نے اس جرم کا ارتکاب کیوں کیا؟ صرف اپنے اندھا دھند غیض وغضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے۔

اس عقیدہ کے بانیوں نے خدا کو ظالم اور قاتل کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ نہایت سخت کفر کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پھر یہ عقیدہ کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ خداوند خدا کا اکلوتا فرزند یسوع مسیح اس شرط پر کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا کہ وہ اس کے نجات دہندہ خون پر ایمان لائے، اور اس وقت یہ گیت گایا جاتا ہے کہ برّہ کے خون سے پاک کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی پادری یا کسی کفارہ کے معتقد نے کسی مقتل میں جاکر خون سے غسل کی ہو اور پھر وہ پاک ہوگیا، یہ بہت ہی قابل نفرت خیال ہے اور جہالت کی یادگار ہے جو بیسویں صدی کے دل و دماغ کے شایان شان نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کا پڑھا لکھا انسان اس پر کیونکر ایمان لاسکتا ہے۔ پھر یہ عقیدہ کہ باری تعالیٰ نے کوئی بیٹا اپنا متبنیٰ بنایا اور اس کو انسانی خواہشات عطا کیں۔ یہ بھی میرے خیال میں ایک کلمہ کفر ہے، مستزاد یہ کہ اگر کوئی شخص اس بناوٹی عقیدہ پر ایمان نہ لائے تو اسے مورد تعزیر خیال کیا جاتا ہے۔ اللہ اللہ خدا کی ذات اقدس کا یہ تصور کس قدر ہولناک ہے۔ حالانکہ آدم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہی کہا گیا ہے۔ مگر عیسائی ہم سے یہی منوانا چاہتے ہیں کہ یسوع ہی اس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ان اعتقادات کی رو سے خدا تعالیٰ گویا (نعوذ باللہ) اپنے بیٹے اور نسل انسانی کا سخت ترین دشمن ٹھہرتا ہے۔ انسان کو فطرتاً گنہگار پیدا کرنا خود اسے بھی ہوا و ہوس کا ہی شکار ثابت کرتا ہے۔ اور وہ تو ایک ایسا سخت صاحب فطرت ثابت ہوتا ہے جو انسان کو بھی کبھی ہی میسر آئی ہوگی۔ کیونکہ ایسا کون باپ ہوگا جو اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جان بوجھ کر اپنے ہی بیٹے کو قتل کردے۔ میں نے دیکھا کہ جس وقت عیسائی مذہب بڑے عروج پر تھا تو ہر شخص کو جو اپنی تسلی اور اطمینان کی خاطر ان عقائد پر جرح قدح کرتا............ یا تو اسے نار کی نذر کردیا جاتا یا قید کردیا جاتا۔ بائبل کی تاریخ اور واقعات تدوین سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ نامعلوم الاسم مصنفین کا مجموعہ ہے۔ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا وغیرہ ان اناجیل کے مصنف نہیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بائبل میں بہت کچھ دستبرد اور تحریف وتبدل ان چند سالوں میں بھی عمل میں آیا ہے۔ مزید برآں عیسائی مذہب کبھی بھی تحمل و بردباری اور برداشت کا مذہب ثابت نہیں ہوا۔ جونہی شہنشاہ فلسطین نے اس مذہب کو قبول کیا اس وقت سے ہم دیکھتے ہیں کہ تثلیث پرستوں نے

غیر مسیحیوں کو نہایت بے رحمی سے دکھ دینے شروع کر دئے۔ الغرض جب کبھی اس مذہب کو عروج حاصل ہوا ہے تو جس کسی نے اس کے ساتھ اختلاف رائے کے اظہار کی جرأت کی تو اسے سخت مصائب کے شکنجہ میں کھینچا گیا ہے۔

متذکرہ بالا تمام باتوں نے میرے دل میں یہ بات بٹھادی کہ کلیسا کو جا کر وہاں کچھ حاصل کرنے سے پہلے ہمیں بائبل کے ان اصلی نسخوں کو تلاش کرنا چاہئے جو فی الحقیقت ان ایام کے پیغمبروں اور مرسلین کے تصنیف کردہ ہیں۔ ورنہ عیسائیت تبدیل وتحریف شدہ کتاب کو اور غیر معتبر کتاب کو یسوع کے مشن کی شہادت میں پیش کرنے کی وجہ سے ایک غلط مذہب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ مذہب اسلام سے کس قدر متغائر ہے جس کی پاک کتاب قرآن مجید انسانی دستبرد سے محفوظ ہے اور ابھی تک اپنی حقیقی صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ قائم ہے۔

مجھے ڈبلیو سٹوارٹ راس جیسے زبردست مصنف سے جو صلاح الدین غازی اسلام کا اس قدر مداح ہے کہ اس نے اپنا تاریخی نام بھی صلاح الدین رکھا۔ ملاقات کا شرف ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ اگر خدا موجود ہے تو وہ اس تصور سے جو عیسائیت نے پیش کیا ہے، بلند تر اعلیٰ تر ہے۔ اور اگر اس عالم میں کسی اعلیٰ طاقت (خداوند تعالیٰ) کی ہستی ممکن ہے (اور میں اس سے کبھی منکر نہیں ہوا) تو وہ ان عاجزانہ اور غریبانہ تصویروں سے کہیں بڑھ کر ہوگی جو کہ بائبل نے پیش کی ہیں۔ پھر اگر خدا تعالیٰ کی شکل وصورت کے عین مطابق اس کا صحیح انعکاس ہماری فطرت میں ہے تو وہ اعلیٰ نقشہ اسلام نے ہی ہمارے آگے پیش کیا ہے۔'' اس زبردست اہل قلم کے ذریعہ میں نے بدھ مذہب کا بھی مطالعہ کیا۔ مگر وہ مذہب مذہب نہیں بلکہ نرا خشک فلسفہ ہے، ایک شخص جو کشکول ہاتھ میں لے کر بدھ مت کے مہک کی طرح در بدر بھیک مانگتا پھرے۔ یا یسوع کی طرح سیاح نوردی میں زندگی بسر کرے تو آج کا کون انسان اس پر عامل ہوگا۔ اگر یسوع دوبارہ دنیا میں آئے اور ایسے ہی ایک بھکاری کی زندگی اختیار کرے تو کیا دنیا اسے قبول کرے گی؟ نہیں۔ آج اسلام جیسے مذہب کی ضرورت جو انسان کو زندگی کی ممتاز اور معزز راہیں دکھائے۔

مجھے ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی جو قابل عمل ہو۔ نرے فلسفہ، محض خیالات اور صرف خوابوں کا مذہب نہ ہو۔ نہ ہی اس کو اپنا کر دوسرے لوگوں سے قطع تعلق کرنا پڑے اور مجھے ایک ایسے دستور العمل کی ضرورت تھی جس پر چل کر میں ہر آن دوسروں کے لیے اور نیز اپنے لئے مثل نمونہ بن جاؤں۔ میں نے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے دوسرے مذہب کا بغور مطالعہ کیا۔ بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ میرے اپنے خیالات جو ایک عقیدہ کی صورت میرے ذہن نشین ہو گئے تھے، ہو بہو اسلام میں پائے جاتے ہیں میں اس نتیجہ پر اس وقت پہنچا تھا جبکہ ابھی تک نہ میں نے کسی مسلمان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی مسلمان سے ملاقات کا موقعہ میسر آیا تھا۔ میں نے اسلام پر عیسائی مصنفین کے متواتر حملوں کو دیکھا اور اپنے آپ سے سوال کئے کہ ''یہ لوگ اسلام سے اتنے خائف کیوں ہیں؟ اسلام نے وہ کون سی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے وہ کلیسا کا ایک زبردست دشمن ٹھہرا ہے'' میں نے جہاں تک ہوسکا تمام کتابیں مہیا کیں، مگر وہ سب کی سب عیسائی محققین کی لکھی ہوئی تھیں۔ انہی کتابوں سے اپنے دل میں اصل معاملہ کو حل کر لینے کے بعد 'دس سال قبل' اس حقیقت پر پہنچ گیا کہ اسلام برحق دین ہے اور پہلا مسلمان جس سے مجھے ملنے کا شرف حاصل ہوا، ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی تھے اس نے خود بھی عیسائیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے ساتھ گفتگو کرنے اور نہایت تحقیق وتدقیق کے بعد میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اسلام عروج اور ترقی کی طرف لے جانے والا مذہب ہے اس لیے دنیا کو بھی اس عروج کی طرف جانا اور روشن ضمیر ہونا چاہئے تا کہ وہ پاک وصاف اور اعلیٰ کردار کی مالک ہو جائے۔ دوسری طرف عیسائیت کا جہاں تک تعلق ہے اس نے ہمیشہ لوگوں کے فہم وادراک کو کچلنے اور دبانے کی کوشش کی ہے اور اسے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ یسوع کی زندگی کا بھی ہمیں کوئی حال معلوم نہیں۔ (**باقی صفحہ 12 پر**)

مولانا محمد احسن امروہوی رحمتہ اللہ علیہ

ایک مختصر تعارف

ادارہ

مولانا مرحوم کی علمی اور روحانی شان

مولانا محمد احسن امروہویؓ جماعت احمدیہ کے چند علماء میں سے تھے۔اور حضرت امام الزماںؑ کے خاص مقربین میں شامل تھے۔قادیان میں قیام کے عرصہ میں جو کافی طویل مدت تک ہوتا تھا،آپ ہی مسجد مبارک میں جہاں حضرت مرزا صاحبؑ نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ نماز جمعہ میں خطیب اور امام ہوتے تھے،اور آپ کا خطبہ معارف قرآنی کا دریا ہوتا تھا، جس سے سینکڑوں تشنگان روحانیت اپنی پیاس بجھایا کرتے تھے۔آج بھی اس وقت کے اخباروں میں ان کے شائع شدہ خطبوں کو پڑھنے والے روحانی غذا حاصل کر سکتے ہیں اور روحانی لذتوں سے سرشار ہو سکتے ہیں۔

مولوی محمد احسن امروہوی صاحبؓ پر قرآنی آیت انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کا مضمون پوری طرح صادق آتا تھا جن لوگوں نے انہیں دیکھا ہے۔اور جنہوں نے ان کی صحبت اٹھائی ہے،وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ فی الحقیقت ربانی علماء میں سے تھے۔ان کا دل نور ایمان سے لبریز تھا۔قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ سے جو استنباط کرتے تھے وہ اس قدر مضبوط ہوتا تھا کہ کسی معاند کو ان کے استدلال کو توڑنے کی ہمت نہ پڑتی تھی،اپنے نظریہ کی تائید میں ایسے زبردست اور مسکت دلائل پیش کرتے تھے جن کے سامنے بڑے بڑے مخالف علماء بھی دم بخود رہ جاتے تھے،قرآن کریم اور احادیث پر ان کی نظر بڑی وسیع تھی۔

حضرت امام الزماںؑ کی نظر میں مولانا مرحوم کا مقام

حضرت مرزا غلام احمدؑ کے نزدیک مولانا مرحوم کا جو بلند مقام تھا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ اپنی مسجد کا خطیب اور امام حضرت امام الزماںؑ نے آپ کو مقرر کیا تھا،اور امام الزماں کے دل میں آپ کی جو عزت واحترام تھا وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کی مجلس معتمدین میں دو عالموں کی شمولیت کی جو شرط آپ نے رکھی تھی اس کو پورا کرنے کے لئے آپ نے حضرت مولانا نورالدینؓ کے ساتھ دوسرے عالم مولانا مرحوم کو منتخب کیا۔آپ کی علمی شان کی جو قدر و منزلت آپ کے دل میں تھی وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہر سے جو سوالات سلسلہ کے متعلق آتے تھے ان کے جوابات کا کام عموماً آپ مولانا کے سپرد ہی کیا کرتے تھے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا بھی بالعموم آپ ہی کے سپرد ہوتا تھا۔

چنانچہ اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے شائع ہونے پر جب بعض مخالفین نے شور مچایا کہ اس میں حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے تو آپ نے جناب مولانا مرحوم کو ہی جواب دینے کے لئے ارشاد فرمایا جو جواب آپ نے دیا۔وہ الحکم ۱۹۰۱ء میں ہی شائع ہو گیا تھا،اس جواب کے متعلق ایڈیٹر الحکم شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا کہ یہ جواب روح القدس کی تائید سے لکھا گیا ہے۔اس جواب میں اچھی طرح سے واضح کیا گیا تھا کہ اس اشتہار میں لفظ نبی ورسول اسی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے،جس مفہوم میں پہلی کتابوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔یعنی محض لغوی اور جزوی معنی میں،کوئی نئی بات اس اشتہار میں نہیں لکھی گئی۔حضرت مرزا صاحبؑ نے اس جواب کو پسند فرمایا۔علماء ربوہ کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے آج بھی یہ جواب کافی ہے،اور دونوں جماعتوں میں ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے مضمون کے متعلق جو اختلاف چلا آ رہا ہے،مولانا مرحوم کا یہ جواب اس اختلاف کے فیصلہ میں حکم وعدل کا حکم رکھتا ہے۔کاش ہمارے یہ دوست تعصب سے دلوں کو خالی کر کے اس جواب کو غور سے پڑھیں۔

مولانا محمد احسن امروہویؓ کا نبوت کے متعلق جو نظریہ تھا وہ تو اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' کی اس تشریح ہی سے واضح ہے جو انہوں نے اخبار ''الحکم'' میں شائع کی لیکن وضاحت کے لئے ایک مثال بیان کرنا بہتر ہے۔

۳۱ راکتوبر و ۱۰ رنومبر ۱۹۰۳ء کے ''الحکم'' میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں آپ نے فرمایا:

''حدیث'' لم یبق من النبوۃ الا المبشرات " میں استثناء متصل ہے اور المبشرات میں الف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے تو خلاصہ حدیث کا یہ ہوا کہ نبوۃ کے اجزاء دو قسم کے ہیں ایک احکام خواہ فرائض اور واجبات ہوں یا حلال و حرام ہوں اور قسم دوم جو مبشرات ہیں۔ جس میں تمام مبشرات خواہ انذارات ہوں یا بشارات داخل ہیں۔ان دونوں قسموں سے قسم مبشرات قیامت تک باقی ہے، اور ظاہر ہے کہ جب اجزاء میں سے ایک قسم کے اجزاء باقی ہیں تو نبوۃ جزوی بھی باقی ہے۔ ہاں نبوۃ کلی منقطع ہو چکی۔''

جناب میاں طاہر صاحب کی بیعت کی وجہ

حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کی وفات کے بعد مولانا مرحوم نے جو جناب میاں بشیرالدین محمود صاحب کی بیعت کی تھی، اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ آپ جناب میاں صاحب کی بعض تقریروں سے متاثر تھے۔ آپ کو یہ علم ہرگز نہ تھا کہ جناب میاں صاحب حضرت مرزا صاحبؑ کو زمرہ انبیاء کا فرد قرار دیتے ہیں اور حضرت مرزا صاحبؑ کو حقیقی اور کلی نبوت کا مصداق سمجھتے ہیں۔ محض بعض تقریروں سے متاثر ہو کر انہوں نے بیعت کر لی تھی۔ بلکہ انہوں نے خود جناب میاں صاحب کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا تھا۔

فسخ بیعت اور خلافت سے میاں صاحب کی معزولی:

اس بات کا ثبوت کہ جناب مولانا مرحوم کو میاں صاحب کے اصلی مذہب سے ناواقفیت تھی، اس بات سے ملتا ہے کہ جناب مولانا مرحوم کی کتاب غالباً مباحثہ رامپور شائع ہوئی تو جناب قاضی اکمل صاحب نے مولانا مرحوم کو خط لکھا کہ آپ نے اس کتاب میں مولوی محمد علی صاحب کے عقائد کی تائید کر دی ہے۔ اس پر آپ چونکے کہ یہ کیا بات ہے! میں نے تو مولوی محمد علی صاحب کی نہیں، بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کے مذہب کی ہی تائید کی ہے۔ یہ مجھے کیا لکھا جا رہا ہے کہ تم نے مولوی محمد علی صاحب کے عقائد کی تائید کر دی ہے۔ اس پر مولانا مرحوم نے تحقیق شروع کر دی، جس کے نتیجہ میں انہیں معلوم ہوا کہ فی الحقیقت جناب میاں صاحب کے عقائد حضرت مسیح موعودؑ کے عقائد کے خلاف ہیں، اور مولوی محمد علی صاحبؒ کے عقائد حضرت مسیح موعودؑ کے عقائد کے بالکل مطابق ہیں۔ اس پر انہوں نے جناب میاں صاحب سے خط و کتابت شروع کی اور اپنے عقائد کو حضرت مسیح موعودؑ کے عقائد کے ساتھ مطابقت دینے کی تلقین کی۔

مولانا مرحوم کا دل ہمیشہ حق کو قبول کرنے کی طرف مائل رہتا تھا۔ اس لئے جب انہوں نے دیکھا کہ جناب میاں صاحب اپنے عقائد میں اصلاح کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اپنی غلطی پر مصر ہیں تو انہوں نے لومۃ لائم کا خوف کئے بغیر میاں صاحب کی بیعت فسخ کر کے جماعت لاہور میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی جناب میاں صاحب کو خلافت سے معزول کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔

مولانا مرحوم کی تصنیفات

مولانا مرحوم نے جناب میاں صاحب کی بیعت فسخ کرنے کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کو حقیقی معنی میں خاتم النبیین ﷺ ثابت کرنے کے لئے اور حضرت مرزا صاحبؑ کے لئے لفظ نبی کا استعمال محض لغوی معنی میں اور جزوی طور پر ثابت کرنے کے لئے خاتم النبیین ﷺ جیسی جامع کتاب تصنیف فرمائی اور اسمہ احمد کی پیش گوئی کا مصداق حضرت نبی کریم ﷺ کو ثابت کرنے کے لئے کتاب ''اسمہ احمد'' شائع کی۔ غرضیکہ مولانا مرحوم نے اپنی مختلف تصانیف کے ذریعہ جناب میاں صاحب کے تمام ان عقائد کو باطل ثابت کیا جو حضرت مسیح موعود کے خلاف تھے۔

حضرت مولانا مرحوم نے جناب میاں صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کے رسالہ ''الوصیت'' کی طرف بھی توجہ دلائی اور لکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو نہ صرف یہ کہ نبی نہ لکھا جائے بلکہ بڑے زور سے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن آپ کے اخبار الفضل وغیرہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو خالی لفظ نبی سے پکارا جاتا ہے جو حضرت مرزا صاحبؑ کی وصیت کے صریح خلاف ہے۔ وصیت کو تبدیل کرنے والے کے متعلق قرآن کریم میں جو وعید ان الفاظ میں آئی ہے'' فمن بدّله بعدما سمعه فانما اثمه على الذين يبدّلونه ان الله سميع عليم ''۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ اپنے رویہ پر غور کر کے اس طرز تحریر کی اصلاح کریں اور کروائیں۔ مگر جناب میاں صاحب نے اپنے اقتدار کے نشہ میں مولانا مرحوم کی اس نصیحت پر بھی کان نہ دھرا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جناب مولانا مرحوم حق کو قبول کرنے اور حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ صاف دل اور صاف گو تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات دینیہ کو قبول فرماتے ہوئے ان کے درجات کو بلند کرے اور انہیں اعلی علیین میں جگہ عطا کرے۔ آمین ☆☆☆

حقوق نسواں کے علمبردار رحمت عالم

ڈاکٹر مرضیہ عارف

حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے وقت پورا عالم اور خاص کر جزیرۂ نما عرب گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا چہار جانب فسق وفجور، جہالت وگمراہی اور وحشت وبربریت کا دور دورہ تھا تہذیب واخلاق امن وانصاف اور محبت واخوت کا دور دور تک نشان نہ تھا، حقوق انسانی بے دردی سے پامال کئے جا رہے تھے۔ جہالت وگمراہی کا سب سے بڑا نشانہ عورت کی ذات بنی ہوئی تھی، لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی جاتی تھیں، عورتوں کو پیر کی خاک سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا ایک ایک مرد اپنے پاس لاتعداد عورتیں جمع کرلیتا تھا اور موت کے بعد یہ تمام عورتیں مال وجائیداد کی طرح ترکہ کے طور پر اس کی اولاد میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ عورت کا نہ تو ماں باپ کی وراثت میں حق تھا اور نہ ہی شوہر کے مال واسباب میں اور اس وقت عالم عرب پر ہی کیا موقوف پوری عالم انسانیت اسی بے راہ روی اور گمراہی کا شکار بنی سسک رہی تھی۔

پوری دنیا میں بیٹیوں کا پیدا ہونا نحوست وادبار کی علامت شمار کیا جاتا تھا۔ مغرب میں تو عورت کے قتل کا جرم بھی قابل سزا نہ تھا، ایران میں دو قسم کی بیویاں پائی جاتی تھیں۔ پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کا جائیداد وترکہ میں حصہ تھا مگر دوسری قسم اس سے محروم تھی، وہاں بیویاں بغیر کسی قباحت کے آپس میں تبدیل کرلی جاتی تھیں۔ ایرانی قانون نے غلام اور عورتوں کو ایک ہی سطح پر رکھ چھوڑا تھا، خود ہندوستان میں عورتوں کو جملہ برائیوں اور ناآسودگیوں کا مجموعہ تصور کیا جاتا تھا، عورتوں کے لئے یہ قانون نافذ تھا کہ اگر کوئی عورت صرف لڑکیاں پیدا کرے تو اس سے رشتہ ازدواج منقطع کرلیا جائے۔ یہاں اونچی ذات کے لوگ عام لوگوں سے کہیں زیادہ عورتیں رکھنے کے حق دار تھے۔ عورتوں کو ان کے خاوندوں کے مردہ جسموں کے ساتھ زندہ نذر آتش کردیا جاتا تھا۔ ''ستی'' کی اس رسم کو مذہبی روایت کا درجہ حاصل تھا۔

حقوق نسواں کے لحاظ سے اس سے بدتر اور تاریک دور میں حضرت محمد ہادی برحق اور رحمت عالم بن کر دنیا میں تشریف لائے اور آپ نے عورت کو معاشرہ میں ایک اہم مقام عطا کرکے معاشرہ کا قابل احترام حصہ قرار دیا۔

حقوق نسواں اور فرمان نبویؐ

رسول پاک نے واضح طور پر فرمایا کہ ماں (کی حیثیت سے عورت) کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو عورتوں کے حق میں بہتر ہے۔ دنیا کی اعلیٰ ترین نعمت ایک نیک اور صالح بیوی ہے۔ لڑکیوں سے نفرت نہ کرو میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔

جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو فرشتے آکر سلام کرتے ہیں اور لڑکی کو اپنے پروں کے سایہ میں لے لیتے ہیں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس ناتواں وکمزور جان کی جو شخص پرورش کرے گا قیامت کے دن خدائے پاک اس کا مددگار ہوگا۔

جس شخص نے بیٹیوں کی جوانی تک پرورش کی روز قیامت وہ اور میں دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ساتھ ہوں گے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اللہ نے عورت کو طلاق لینے کا حق دار بھی بنایا، بیواؤں کی شادی کو باعث ثواب بتایا۔ اسے باپ، بھائی اور شوہر کے ترکہ ومال میں حصہ کی خوش خبری دی، مہر کو عورت کا حق قرار دیا اور سب سے بڑھ کر انسانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عورت کو ایک ذمہ دار قابل احترام ہستی قرار دیا مگر اسی کے ساتھ عورت کو مرکز نسوانیت سے ہٹنے نہ دیا۔ بچوں کی پرورش وتعلیم کے ساتھ گھر کا اسی کو

محافظ بتایا۔ حضورؐ نے عورتوں کو آرائش وزیبائش کی بھی تعلیم دی، آپ نے ان قریشی عورتوں پر اکثر فخر فرمایا کرتے تھے جو اپنا گھر بار سلیقہ اور خوش اسلوبی سے چلاتی تھیں۔

حضرت ام سنانؓ بیان کرتی ہیں کہ 'جب میں مسلمان ہوئی تو نبی ﷺ نے میرے ہاتھوں میں مہندی اور چوڑیاں نہ دیکھ کر فرمایا کہ تم عورتوں کے لئے تو یہ کچھ مشکل نہیں کہ اپنے پیرہن رنگ لیا کرو اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لیا کرو خواہ وہ چمڑے ہی کی ہوں''۔

آج دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مغربی تہذیب وتمدن میں عورتوں کے حقوق کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور ان کو پوری آزادی حاصل ہے مگر اس کا ایک تاریک پہلو یہ ہے کہ عورت دن بدن اپنی نسوانی خصوصیات اور دلکشی کھوتی جارہی ہے، مردوں کے مشاغل اور طور طریقے اختیار کر کے عورت نہ تو عورت رہی ہے اور نہ ہی مرد بن سکی ہے بلکہ اپنی تمام فطری رعنائیوں کو گنواں بیٹھی ہے۔ حضور ﷺ نے عورت کو بہت کچھ عطا کیا اور عورت ہی رہنے دیا، یہ بھی آپ کا معمولی احسان نہیں۔

حقوق نسواں اور کردار نبویؐ

کردار نبویؐ کے آئینے میں جب حقوق نسواں کا جائزہ لیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی سے اس پہلو کو اور نکھارا ہے آپ کی سیرت کا ایک معمولی طالب علم بھی آپ کی ازدواجی زندگی کی ضیاء پاشی سے اپنی نظریں چرا نہیں سکتا مختصراً چند واقعات پیش ہیں۔

ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں کہیں سے دعوت کی اطلاع آئی، آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ عائشہ بھی آئیں گی۔ میزبان کو تامل ہوا تو آپ نے دعوت قبول نہ فرمائی، یہی معاملہ دو مرتبہ پیش آیا، تیسری مرتبہ میزبان نے آپ کی شرط منظور کر لی تو آپ نے دعوت قبول فرمالی۔ اس اصرار کے پس پردہ آپ کا یہ جذبہ کار فرما تھا کہ اس دن گھر میں حضرت عائشہؓ کے لیے کھانے کو کچھ نہ تھا اسی لئے آپ کی غیرت نے تنہا دعوت قبول کرنا گوارا نہیں کیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ سے آپ نے جن شرائط پر صلح قبول کی تھی ان سے اکثر صحابہ کرام مطمئن نہ تھے آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اب حج کا ارادہ موقوف کیا جائے۔ سب اپنے احرام کھول کر قربانیوں سے فارغ ہو جائیں۔ صحابہ کرام نے جواب میں خاموشی اختیار کی اور احرام نہیں کھولے تو آپ متفکر ہو کر خیمہ میں تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے اس واقعہ کی شکایت کی، انہوں نے مشورہ دیا کہ پہلے آپ خود احرام کھول کر اپنا اونٹ ذبح کر لیں پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا، چنانچہ تمام صحابہ نے بھی آپ کی تقلید کی۔ اور ایک اہم مسئلہ ام المومنین کی فراست سے حل ہو گیا۔

پیغمبرؐ اسلام نے میاں بیوی کے درمیان خوشگوار تعلقات پر زور دیا ہے آپ کا فرمان ہے کہ اپنی بیوی کو خاموش ورنجیدہ دیکھ کر دل بہلانے والی شگفتہ گفتگو کرو، نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر ایسے مواقع پر ازدواج مطہرات سے مذاق کیا اور ان کا دل بہلایا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مذاقاً دوڑ کی شرط لگائی، جس میں وہ آگے نکل گئیں، کافی عرصہ بعد دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا تو حضور پاکؐ آگے نکل گئے، اس وقت آپ نے فرمایا چلو پچھلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں تو اس بار میں، حساب برابر ہو گیا۔ ایک مرتبہ آپ عورتوں سے محو گفتگو تھے کہ حضرت عمرؓ آگئے، عورتیں ان کی آواز سن کر پردہ میں ہو گئیں تو حضور مسکرا دیئے۔ حضرت عمرؓ آپ کی مسکراہٹ دیکھ کر کھل پڑے اور عورتوں سے کہا کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نبی سے بلند آواز سے گفتگو کرتی ہو اور مجھ سے بھاگتی ہو، عورتوں نے آپؓ کی سختی اور حضور ﷺ کی نرمی کی طرف اشارہ کیا جس پر ایک بار پھر حضور ﷺ مسکرا دئے۔

سرور دوعالم ﷺ کے عورتوں پر خصوصی احسانات ہیں اگر آپ عورتوں کے بارے میں مسلسل حسن سلوک کی تاکید نہ فرماتے تو عورت کو یہ مقام کبھی میسر نہ آتا، آپ نے اپنے آخری خطبہ 'حجۃ الوداع' کے موقع پر عورتوں کی بابت صراحت سے فرمایا:

''میں تم کو عورت کے ساتھ حسن سلوک کی خاص وصیت کرتا ہوں، تم میری اس وصیت کو یاد رکھنا، دیکھو وہ تمہاری نگرانی میں اور تمہارے قبضہ میں ہیں۔''

دنیا میں عام انسان اپنی خانگی زندگی کو راز میں رکھنا پسند کرتے ہیں لیکن محمد ﷺ کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی طرف سے اس کی عام اجازت بلکہ ترغیب تھی کہ اندرون خانہ کے حالات کو بھی عام کیا جائے اور اس کی پیروی ہو، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتی زندگی کی عام تفصیلات سب کو معلوم ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی عام انسان کی طرح گھر میں رہتے اور وہ گھریلو خانگی کام جو عام انسان کرتے ہیں آپ بھی بلا تکلف اپنے گھر میں کر لیا کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کپڑوں میں جوئیں ہو جاتیں تو ان کو بھی نکال لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگا لیتے اور جوتا درست کر لیتے اور اپنے اہل خانہ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، گھر والوں کے ساتھ نہایت اخلاق و نرمی سے پیش آتے۔

اسی طرح نبی پاک ﷺ کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ پیش قدمی فرما کر استقبال کرتے، ان کو اپنی جگہ بٹھاتے، دوسری صاحبزادیوں کے ساتھ بھی آپ کا رویہ یہی تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور پرنور کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو عام انسانوں کے لیے مشعل راہ نہ ہو، تاہم عورتوں کے ساتھ آپ کا حسن سلوک تو اس قابل ہے کہ اہل اسلام دوسری اقوام کے ساتھ بھی اس کو پیش نظر رکھیں اور عمل پیرا ہوں تا کہ ان پر اپنی عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کا جو الزام لگایا جاتا ہے اور معاشرتی مسائل میں مسلمانوں سے جو عام غفلت ہو رہی ہے اس کا سدباب ہو سکے۔

(بحوالہ: راشٹریہ سہارا، یکم نومبر ۲۰۰۳)

☆☆☆

(باقی صفحہ 23 کا)

یہاں زندگی کے ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی گنجائش نہیں جن کے متعلق اسلامی تعلیمات میں مجھے ایسا کافی شافی جواب ملا جو کسی اور مذہب میں موجود نہیں ہے تاہم اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ کافی غور وخوض سے دنیا کے ہر مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد نظر ثانی کی ضرورت اور انہیں قبول نہ کرتے۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ میں مسلمان کیوں ہوا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مجھے مسلمان ہونے پر کیوں فخر ہے، یہ احساس تو صرف وقت اور تجسس کے بعد ہی پیدا ہوتا تھا۔ میں نے ایک انگلش یونیورسٹی میں اسلامی ثقافت کا مطالعہ کیا اور پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ یہی اسلامی ثقافت تھی جس نے یورپ کو قرون مظلمہ سے نکالا تھا۔ تاریخ سے مجھے معلوم ہوا کہ دنیا کی کتنی ہی بڑی بڑی اسلامی مملکتیں تھیں، موجودہ سائنس کا کتنا بڑا حصہ ایسا ہے جس کے اسلام کا ورثہ ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ جب لوگ میرے پاس یہ بتانے کے لیے آتے کہ میں نے قدم پیچھے کی طرف ہٹایا ہے تو میں ان کی جہالت پر مسکرا دیا کرتا۔ کیا دنیا اسلام کو صرف اس ایک ہی بات پر تولتی ہے کہ بالکل خارجی حالات اس کے انحطاط کا باعث ہوئے ہیں۔

کیا مسیحیت کو ازمنہ وسطیٰ کے محتسبوں اور ہسپانوی مظالم کی وجہ سے وحشیانہ اور خون آشام مذہب کہنا چاہئے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ہر زمانہ کے بڑے بڑے اعلیٰ پایہ کے لوگ اسلامی ثقافت کی قدر و منزلت محسوس کرتے رہے ہیں جس کے بہت سے آبدار موتی مغرب کی نظروں سے اب تک اوجھل ہیں۔

دنیا کے بہت سے ممالک کا سفر کرنے کے بعد مجھے یہ دیکھنے کا اچھا موقع ملا ہے کہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار اجنبیوں کی مہمان نوازی، اور بے لوث خدمت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ معاشی لحاظ سے اسلامی ممالک نے ہی امیر وغریب کو اس طرح منسلک کر دیا ہے کہ کوئی معاشی تصادم اور آویزش نہیں ہونے پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکیت مسلمان ممالک میں اپنا سر نہیں اٹھا سکتی۔ (بحوالہ: میرا قبول اسلام، صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۰)

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غیر اللہ کے احسان میں فرق

ادارہ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ماں باپ کا وجود ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے بعد ماں باپ کے احسان کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اگر یہ سوال ہو کہ آیا فی الحقیقت صفت رحمانیت غیر اللہ (ماں باپ) میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ رحمانیت حقیقی اور کامل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے کیونکہ کوئی عطا اور بخشش سوائے اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش کے بلا معاوضہ نہیں ہوسکتی۔

معاوضہ یا تو خرید وفروخت کی صورت میں ہوسکتا ہے یا خدمت کی شکل میں یا تعریف اور ثناء کے ذریعہ ہوسکتا ہے یا مال کی محبت دل سے دور کرنے کے لئے یا رقت قلب کی بیقراری دور کرنے کے لئے۔ کسی پر رحمت کرنے کے بدلہ میں یہ سب معاوضہ کی صورتیں ہوسکتی ہیں جو احسان کرنے والا حاصل کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سب اغراض سے پاک ہے اس لئے جواد مطلق اور رحمٰن حقیقی اور کامل صرف اللہ کی ذات ہے۔

ہر ایک وہ احسان اور سامان رحمت جو غیر اللہ میں پایا جاتا ہے اور اس کا اظہار ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے پس جس رحمت اور احسان کا صدور کسی غیر اللہ سے ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہے۔

کسی انسان کے دل میں جو تحریک دوسروں سے نیکی اور ہمدردی کی پیدا ہوتی ہے اس کا محرک بھی اللہ تعالیٰ ہے گویا اس تحریک کا قبول کرنا یا رد کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

بچے کے لئے والدین کی ہستی بے شک بڑی رحمت ہے لیکن ان کا ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے ہے۔ دنیا میں بے شمار حیوانات ہیں جن میں ان کی پرورش کا ذریعہ صرف ماں ہے باپ کو اپنی اولاد کا علم تک نہیں ہوتا اور بے شمار ایسے بھی حیوانات ہیں جن میں نہ ماں بچوں کو پالتی ہے اور نہ باپ (جیسے مینڈک اور تیتریاں وغیرہ) بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت براہ راست ان کی مربی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جس قدر بھی دوسروں پر احسان اور انعام کرنے والے ہیں ان کا احسان صرف اس صورت میں فائدہ اور نفع پہنچا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس میں شامل ہوگا کسی فیاض انسان نے کسی محتاج انسان کو اناج یا کپڑا اور روپیہ خیرات دیا۔ لیکن یہ خیرات صرف اسی صورت میں محتاج کے کام آسکتی ہے جب اس کا معدہ، دل اور جسم اس سے فائدہ اٹھا سکے مگر ان کا تندرست ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

اکثر لوگوں کے لئے کثرت مال اور اولاد نفع کا موجب نہیں ہوتا بلکہ فائدہ کے بجائے وبال جان اور موجب فساد ہوجاتا ہے اور بعض لوگ اس نعمت مال کے بدلے سعادت اخروی حاصل کرلیتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال دار آدمی کو اس کے مال کی وجہ سے لوگ معبود بنا لیتے ہیں اور اس کے طور وطریق اور اوضاع خراب کردیتے ہیں۔ ماں باپ کی محبت اولاد کی زندگی اور بہتری کے لئے ایک بے مثال شئے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اپنی مخلوق کے ساتھ بالخصوص انسان کے ساتھ بے انداز محبت ہے۔ صفت رحمانیت اسی محبت کا ایک فوارہ ہے۔ رحمت کے معنی تمام اقسام کی آفات سے نجات دینا۔ دنیا میں انسان کے لئے نہ آفات کا شمار ہے اور نہ حاجات و ضروریات کی انتہا۔ مگر ہر آفت کا توڑ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس کی ہر ضرورت کا علاج موجود ہے۔ اس لئے اس کی رحمت بھی بے حساب ہے۔

غرض یہ کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو اس وقت تک کسی کا احسان اور انعام نفع رساں نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی رحم جو ہر قسم کے معاوضہ کی نیت سے پاک ہو اللہ تعالیٰ کا رحم ہے اور وہی رحم کامل اور مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی حاجات اور ضروریات اور فطری تقاضوں اور اخروی بہتری کو خوب جانتا ہے۔

☆☆☆

تلاش حق

حسین روفی انگلستان

جب لوگ اپنے پیدائشی مذہب کے بجائے کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو ان کے رجحانات عموماً جذباتیت، فلسفیانہ خیالات یا معاشرتی امور پر مبنی ہوتے ہیں میرا مزاج ایک ایسے مذہب کا متقاضی تھا جو فلسفیانہ اور معاشرتی تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اس غرض کے پیش نظر میں نے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے دعاوی، ان کی کتب مقدسہ اور ان کے پیدا کردہ نتائج کا دقیق نظر سے مطالعہ کرنے کا تہیہ کیا۔

میں یہودی اور کیتھولک ماں باپ کے گھر پیدا ہوا، اور کلیسائے انگلستان کی روایات میں تربیت حاصل کی۔ ان کا پورا تجربہ مجھے انگلش پبلک اسکول کے روزانہ معمول کے مطابق سالہا سال کلیسا کی عبادت میں شرکت سے ہوا۔ میں نے جلدی یہودیت اور مسیحیت کے عقائد و رسمیات کا مقابلہ مطالعہ شروع کر دیا۔ میرے وجدان نے مجھے مسیح کے خدائی اوتار ہونے کو اور کفارہ کے عقائد کو رد کرنے پر مجبور کیا۔ اور میری عقل بائبل کے بہت سے بوقلموں مسائل سے تسلی نہ پاسکی، نہ اس رسمی و تقلیدی طرز استدلال میں جو خدا کے بارے میں کلیسائے انگلستان سے تعلق رکھنے والے عام عیسائیوں میں میں نے دیکھے، ایک زندہ مذہب کی عدم موجودگی مجھے مطمئن نہ کر سکی۔

یہودیت میں میں نے خدا تعالیٰ کا تصور کچھ وضاحت سے مگر متضاد و مختلف پایا ہے یہ ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنی اصلیت کو بہت حد تک قائم رکھا ہے۔ میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا اور بہت سی باتوں کو مسترد کیا۔ اس مذہب کے تمام ارکان و آداب اور رسوم و رواج کی بجا آوری کے بعد دنیوی کاروبار کے لئے کوئی وقت ہی نہیں ملتا۔ اس کے لامتناہی رسوم و آداب کے لیے دل و دماغ کو ہمہ تن متوجہ رکھنا پڑتا ہے، اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ اقلیت کا مذہب ہے اور مختلف معاشرتی طبقات میں خلیج پیدا کرنے کا موجب ہے۔

میں نے کلیسائے انگلستان اور یہودی ہیکلوں کی عبادتوں کو دیکھا اور ان میں عملی حصہ بھی لیا ہے مگر ان کو قبول نہیں کیا، رومن کیتھولک مذہب میں میں نے جھوٹے دعاوی اور انسانی حکومت کی محکومی بہت زیادہ دیکھی۔ جن سے بالبداہت ایسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں، جو ان نیم خدائی دعاوی سے مطابقت نہیں رکھتیں جو پوپ اور اس کے معتمدین کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں پھر ہندو فلاسفی خصوصاً اپنشد اور ویدانت کی بت پرستانہ تعلیمات کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں بھی میں نے بہت کچھ سیکھا۔ بہت سی باتیں پسند کیں اور بہت سی باتوں کو رد کیا۔ لیکن یہاں بھی معاشرتی برائیوں کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا۔ پنڈتوں کی نسل کی بہت حمایت اور عزت کی جاتی ہے اور انہیں بیشمار حقوق و مراعات حاصل ہیں لیکن غریب اور استحصال زدہ اقوام کی طرف امداد کا ہاتھ کوئی نہیں بڑھاتا، ہندو فلسفہ کے مطابق اگر وہ غربت و بیچارگی اور دکھ و تکلیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرے، تو آئندہ زندگی میں ان کی حالت کچھ بہتر ہو جائے گی، یہ لوگوں کو محکوم رکھنے کا آسان طریق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب مطلق العنان پروہتی نظام کو جنم دینا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ الٰہی نظام ہے۔

بدھ مت نے مجھے انسانی قلب اور اس کے اصول و قوانین کے متعلق بہت کچھ سکھایا اور کائنات کے فلسفہ کو سمجھنے کا ایسا سیدھا سادہ طریق بتایا جیسا کہ کیمیائی تجربہ اس تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ میں وہ قربانیاں کروں جو اس کے لیے ضروری ہیں اس مذہب میں ذات پات کے خلاف ردعمل پایا جاتا ہے۔

بدھ مت میں ہندو مذہب کی طرح میں نے کوئی اخلاقی تعلیم نہیں دیکھی وہاں میں نے یہ دیکھا کہ فوق البشر قویٰ کس طرح

حاصل کئے جاسکتے ہیں اور لوگ ان کو کیا سمجھتے ہیں تاہم میں بہت جلد سمجھ گیا کہ ان قویٰ کا ہونا روحانیت کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ ان سے صرف کسی علم پر حاوی ہونے کی اہلیت ظاہر ہوتی ہے۔ عام کھیلوں سے بڑھ کر اعلیٰ سطح پر دینی رنگ میں حصول تفریح کا مشغلہ ہے اور جذبات کشی ضبط نفس اور تمام خواہشات پر قابو پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ رواقی فلسفیوں نے بھی اسی قسم کے ذرائع اختیار کئے تھے اس مذہب میں بھی موجودات عالم کے موجد و خالق کا کوئی نام نہیں۔ صرف انسان کو اپنی نجات کا ایک راستہ بتایا گیا ہے حالانکہ بدھ کا نظریہ یہ تھا کہ دوسروں کی نجات کے لیے اپنی نجات قربان کردو۔ اس نظریہ میں صرف حیوانی اور فطری قویٰ پر قابو پانا ہی نہ تھا بلکہ روحانیت بھی اس میں مضمر تھی۔ بدھ مت دنیا کو نظریاتی طور پر ہی بچا سکتا تھا جس طرح ٹالسٹائی کی وہ بنیادی مسیحیت جو جناب مسیح کے اصل الفاظ پر مبنی ہے۔ اور جو الحاق اور غلط فہمیوں سے مبرا ہے۔

تاہم اگر یہ عقائد نظری طور سے دنیا کو بچا سکتے تھے تو عملی طور پر کیوں نہ بچا سکے۔ جواب یہی ہے کہ یہ عقائد جمہور کے لیے نہیں بلکہ چند لوگوں کے لیے ہیں۔ مسیحیت اور بدھ مت دونوں پر اگر ان کے بانیوں کی تعلیم کے مطابق غور کیا جائے تو انہوں نے معاشرتی مسائل کو ہاتھ تک نہیں لگایا انہیں ان مسائل میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یسوع اور مہاتما بدھ دونوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو اور تلاش کے لئے تمام مال و املاک کو ترک کرنے اور اپنی نفسانیت کو کچلنے کی تعلیم دی تھی۔ ''برائی کا مقابلہ نہ کرو کل کی فکر نہ کرو، یا کاسہ گدائی سے کام لو۔'' میں ایسے لوگوں کا بہت ہی مداح ہوں جو ایسی تعلیم کی پیروی کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ راہ انہیں خدا تک پہنچا سکتی ہے مگر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جمہور اس راہ پر نہیں چل سکتے۔ نہ یہ کسی جاہل کسان کی قسمت بنا سکتی ہے اس لئے تمدنی اور معاشرتی لحاظ سے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ ایک غیر معمولی طاقت رکھنے والے روحانی آدمی کے لیے تو یہ شاندار راہ ہے مگر جمہور انسانیت کے لیے غیر مفید ہے۔

عرب ممالک میں رہتے ہوئے میں نے اسلام کو ہمیشہ سطحی نظروں سے دیکھا۔ کبھی اس کا ایسا دقیق مطالعہ نہ کیا جیسا دوسرے مذہب کا کیا تھا۔ تاہم جب میں غور کرتا ہوں کہ اس مذہب سے میرا پہلا تعارف راڈویل کے ترجمہ قرآن کے مطالعہ تک ہی محدود رہا تو اس مذہب کے متعلق زیادہ پر جوش نہ ہونا چنداں حیرانی کا موجب نہیں۔

اس طرح لندن کے مشہور مشنری سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اس سے میں نے محسوس کیا کہ بہت سے عرب ممالک میں غیر مسلموں میں اسلام کے متعلق دلچسپی پیدا کرنے اور اس کی تعلیمات پھیلانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جاتی، جس سے انہیں اچھے ثمرات مل سکتے، عام طور پر اجنبیوں سے ایسی بے اعتمادی کا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ نشر و اشاعت کے بجائے خفیہ رکھنے کی مشرقی پالیسی کی خاصیت صاف طور پر نظر آتی ہے۔

عقلمندانہ رہنمائی کے تحت مجھے ایک مسلمان کا ترجمہ اور تفسیر قرآن اور بہت سا لٹریچر مہیا کیا گیا۔ اس سے اسلام کی صحیح تصویر مجھے نظر آ گئی۔ چنانچہ مجھے اس چیز کے حاصل کرنے میں کوئی دیر نہ لگی جس کا میں سالہا سال سے متلاشی تھا۔

۱۹۴۵ء میں ایک دن نماز عید دیکھنے کے بعد اور اس کے بعد کھانے میں شرکت مسجد ووکنگ میں مسلمانوں کے ایک بین الاقوامی اجتماع کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہاں کوئی عرب گروہ تھا، نہ کوئی قومیت تھی۔ بلکہ تمام دنیا کی اقوام اور باہمی میل جول رکھنے والی جماعتیں اور بیشمار رنگ و نسل کے لوگوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا۔ یہاں میری ملاقات ایک ترکی شہزادہ سے ہوئی۔ اور ان سے بھی جو انتہائی غریب اور بے کس تھے۔ ان تمام لوگوں نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کسی امیر کے طرز عمل میں کمتر لوگوں کے ساتھ کوئی چھپی ہوئی، بیزاری کا برتاؤ نہ تھا۔ مساوات کے احساس میں کوئی ایسی منافقت نہیں پائی جاتی تھی۔ جو ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کی بیزاری کا موجب ہو جیسی کہ سفید رنگ کے لوگوں کے طرز عمل میں ہمسایہ حبشیوں سے بات چیت کرتے ہوئے نظر آتی ہے اس مجمع سے الگ ہونے کی کسی نے کوشش نہ کی اور کوئی ایسی ناواجب امارت پرستی نہ کی گئی۔ جس میں ریاکارانہ نیکی کے بھیس میں غیر مہذب، انانیت پائی جائے۔

(باقی صفحہ 20 پر)

طب وصحت

درد گردہ اور اس کا علاج

ادارہ

جب کوئی سنگریزہ یا پتھری گردے سے مثانہ میں جاتے ہوئے گردے اور مثانے کی درمیانی نالی میں سے گزرتی ہے تو سخت کھینچاؤ والا درد ہوتا ہے۔

کمر میں گردے کے مقام پر تیز درد ہوتا ہے جو کمر سے مثانہ کی طرف کھسکتا ہے اور جس کی ٹیس مثانہ، خصیہ اور ران کے اندر کی طرف جاتی ہے۔ مریض درد کی وجہ سے بے تاب ہوجاتا ہے۔ بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ مگر پیشاب بہت تھوڑا ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا ہے۔ اگر تھوڑا سا قطرہ قطرہ ہو بھی تو وہ خون ملا ہوا ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں سرد ہوجاتے ہیں۔ نبض کمزور چلنے لگتی ہے۔ متلی اور قے ہوتی ہے یہ درد اکثر دورے کی شکل میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن کبھی لگاتار بھی ہوا کرتا ہے۔ جب پتھری مثانہ میں چلی جاتی ہے یا گردہ کے دہانہ میں جہاں سے نکلی تھی واپس چلی جاتی ہے تو درد موقوف ہوجاتا ہے۔ بعض مریضوں میں درد خاص کمر میں ہی رک جاتا ہے۔ ایسی صورت اس وقت ہوتی ہے جب پتھری گردہ کے دہانہ میں اپنی جگہ سے ہل جاتی ہے۔ اس قسم کے دردوں میں مریض کو 102 یا 103 ڈگری بخار ہوجاتا ہے۔ بخار عموماً لرزہ سے ہوا کرتا ہے۔ درد گردہ میں پیشاب عموماً خون آمیز آیا کرتا ہے۔

درد گردہ کو (۱) درد جگر (۲) درد شکم اور (۳) درد کمر سے فرق (تشخیص) اس طرح کرتے ہیں کہ (۱) درد جگر میں درد داہنی طرف کی نویں یا دسویں پسلی کی کڑی کے نیچے ہوتا ہے۔ دبانے سے بھی اس جگہ درد معلوم ہوتا ہے اور اکثر اس درد کے بعد مریض کو یرقان یا پیلیا (Jondis) کی شکایت ہوجاتی ہے۔

(۲) درد شکم (قولنجی درد) میں درد ناف کے ارد گرد ہوا کرتا ہے۔ مریض کا حال پوچھنے پر بدہضمی، اس مرض کا سبب ہوا کرتی ہے اس درد میں یا درد جگر میں پیشاب میں خون نہیں آیا کرتا۔

(۳) درد کمر جو بھی درد ہوتا ہے وہ نوبت بہ نوبت یعنی دورے کی شکل میں ہوا کرتا ہے۔ یہ درد اتنا شدید نہیں ہوتا ہے جتنا درد گردہ، اس کی ٹیس بھی ران کے اندر تک نہیں جاتی بلکہ ماؤف مقام تک ہی محدود رہتی ہے۔ اس درد میں بھی پیشاب خون آمیز نہیں ہوتا۔

(۴) لیکن درد گردہ میں جیسا کہ تحریر ہوا ہے درد مقام گردہ سے شروع ہوکر مثانہ کی طرف جاتا ہے اور درد کی ٹیسیں خلیوں اور ران کے اندر کی طرف جاتی ہیں۔ ایسے مریض جن کے سنگ گردہ کی تشخیص نہیں ہو پا رہی ہو، ان کو بذریعہ الٹراساؤنڈ اس کی جانچ کروالینی چاہئے۔ اس کے ذریعہ جو تصویر آجاتی ہے، اس کے گردے اندر پتھری صاف معلوم ہوتی ہے، اور اس بات کی تشخیص کہ پتھری کس قسم کی ہے، مریض کے پیشاب کی جانچ کرانے سے بخوبی ظاہر ہوجاتی ہے۔ اس مرض کا حملہ دورے کی شکل میں ہوا کرتا ہے یعنی اگر ایک ہی پتھری ہو اور وہ خارج ہوجائے اور دوبارہ پتھری پیدا نہ ہو تو صرف ایک بار درد کا دورہ ہوجاتا ہے، لیکن اگر زیادہ پتھریاں ہوں تو اکثر ایک ایک کنکری یا پتھری کی خراش سے گردے کے منھ پر عموماً ورم ہوجایا کرتا ہے اور کبھی کبھی اس میں مواد بھی پڑجاتا ہے۔ کبھی کبھی درد گردہ اس شدت کا ہوتا ہے کہ مریض کے مرجانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور جب پتھریاں کئی ہوں تو اس مرض کا انجام اچھا نہیں ہوا کرتا۔

درد کو رفع کرنے کے لیے درد کے مقام پر (کمر پر) گرم پانی یا بوتل میں گرم پانی ڈال کر سینک کریں۔ کبھی کبھی بستر میں ادھر ادھر کروٹ بدلنے سے بھی مریض کو درد میں آرام مل جاتا ہے۔ اگر پتھری بڑی ہوگئی ہے تو اس کا بہتر علاج آپریشن یا آج کل کے مطابق لیزر کے ذریعہ پتھری کو توڑ کر نکالنا ہی بہتر ہے۔ اگر پتھریاں زیادہ بڑی نہیں ہیں اور مرض کی تشخیص ہوجاتی ہے تو ہومیوپیتھک کی دوا ''بربیرس ولگ Q'' یعنی مدر ٹنکچر (Berberis Vulg Q) پتھریوں کو گلانے کی بہترین دوا ہے۔ ۱۵-۲۰ قطرے ایک چوتھائی کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین بار لگاتار ۴۵ دنوں تک پیتے رہنے سے پتھریاں گل کر پیشاب کے راستے سے خارج ہوجاتی ہیں۔

حکمت میں سنگ گردہ و مثانہ کو گلا کر خارج کرنے کی عمدہ دوا ''معجون حجرالیہود'' ہے۔ حکماء کا خیال ہے کہ یہ معجون روز صبح نہار منہ سات ماشہ (تقریباً ۵ گرام) لے کر تازہ پانی کے ساتھ استعمال کرنے سے کچھ دنوں میں پتھریاں گل کر بذریعہ پیشاب خارج ہوجاتی ہیں۔

☆☆☆